جون ۲۰۰۳ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

فلسطین نمبر اور اقبال نمبر

کے بعد اب

ہفت روزہ **ندائے خلافت** لاہور کا

عراق نمبر

شائع ہو گیا ہے' جس میں

اسلام سے قبل عراق کی پانچ ہزار سالہ تاریخ کے علاوہ خلافت عباسیہ کے عہد میں عراق کے عروج' خلافتِ عثمانیہ میں اہلِ عراق کی خدمات' خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے پر مغربی استعمار کی عیارانہ سازشوں اور خصوصاً امریکہ کی ریشہ دوانیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

—— اس کے علاوہ ——

جا بجا خاکے' نقشے اور مستند و معتبر اعداد و شمار **"عراق نمبر"**

کو گھریلو ضرورت کی ایک مستقل حوالہ جاتی کتاب بناتے ہیں

اپنی کاپی آج ہی بک کروائیں

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' 36 کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: 03-5869501 فیکس: 5834000

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سُنا اور اطاعت کی

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد:	۵۲
شمارہ:	۶
ربیع الثانی	۱۴۲۴ھ
جون	۲۰۰۳ء
فی شمارہ	-/۱۲

ادارۂ تحریر

حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

☆ اندرون ملک	125 روپے
☆ ایشیا' یورپ' افریقہ وغیرہ	800 روپے
☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ	1000 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700' فون: 03-02-5869501
فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110
ای میل: markaz@tanzeem.org

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرض احوال ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳

حافظ عاکف سعید

منتخب نصاب ۔۲ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵

اقامت دین کی فرضیت اور اس کے لئے زوردار دعوت

ڈاکٹر اسرار احمد

منہاج المسلم (۳۰) ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۶

- آدابِ سفر
- لباس کے آداب

علامہ ابوبکر جابر الجزائری

نقطہ نظر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۳

قوموں کے عروج وزوال کا اسلامی اصول

انجینئر کرم الٰہی انصاری

دنیائے اسلام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۱

آذربائیجان

سید قاسم محمود

گوشہ خواتین ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۷۰

تحریکِ نسواں یا تحریکِ نازن

محمد عطاء اللہ صدیقی

❀ ❀ ❀

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ احوال

سرحد اسمبلی نے حال ہی میں متفقہ طور پر شریعت بل پاس کیا ہے جس پر ایم ایم اے کی صوبائی حکومت تحسین ومبارک باد کی مستحق ہے۔ امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے اس حوالے سے اپنے گزشتہ خطاب جمعہ میں جن خیالات کا اظہار کیا' ان کا خلاصہ بصورت پریس ریلیز ذیل میں ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے:

''سرحد اسمبلی میں شریعت بل کی منظوری کے حوالے سے بعض سیاست دانوں اور دانشوروں کے منفی ریمارکس پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ عاکف سعید نے کہا کہ یہ ہمارے اسی منافقانہ طرز عمل کی عکاسی ہے جو بحیثیت مجموعی ہم مسلمانان پاکستان کے مزاج کا حصہ بن چکا ہے اور جس کی وجہ سے ہم ہر سطح پر آج زوال و انحطاط کا شکار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم زبانی طور پر تو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اسلام کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے تیار نہیں۔ حافظ عاکف سعید نے کہا کہ سرحد اسمبلی نے جو شریعت بل اتفاق رائے سے منظور کیا ہے اس کے متن میں یہ بات بصراحت مذکور ہے کہ صوبہ سرحد میں قائم ایم ایم اے کی حکومت اپنے صوبائی اختیارات کی حدود میں رہتے ہوئے شریعت کے نفاذ کو ممکن بنائے گی۔ بل میں اس امر کی بھی نشان دہی کی گئی ہے کہ قراردادِ مقاصد کو چونکہ اب پاکستان کے آئین کا باقاعدہ حصہ بنا دیا گیا ہے جس میں اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کا اقرار کیا گیا ہے لہٰذا آئین کی رو سے مملکت خداداد پاکستان میں قرآن وسنت کو بالادست قانون کی حیثیت حاصل ہے جس سے متصادم کوئی قانون سازی نہیں کی جا سکتی۔ ایم ایم اے کی صوبائی حکومت اسی آئینی اصول کو اپنے صوبے میں نافذ کرنے کی خواہاں ہے ـــــ گویا اس شریعت بل میں نہ تو آئینِ پاکستان سے انحراف کیا گیا ہے اور نہ ہی صوبائی اختیارات کی حدود سے تجاوز کیا گیا ہے' لہٰذا ان پر 'بغاوت' طالبان ازم یا تنگ نظری کا الزام درست نہیں۔ اگرچہ اس شریعت بل کا وہ پہلو جس میں عدالتی طریق کار کو زیر بحث لایا گیا ہے' ہمارے نقطہ نظر سے کسی قدر قابل اصلاح ہے' لیکن بحیثیت مجموعی صوبائی حکومت کا رخ بالکل صحیح ہے اور ہم اس کی بھرپور تائید کرتے ہیں۔

ایم ایم اے کو مرکز میں بھی انہی خطوط پر نفاذ شریعت کے لئے اپنی مساعی کو آگے بڑھانا چاہئے۔ حافظ عاکف سعید نے کہا کہ اگر کسی کا خیال ہے کہ یہ شریعت بل یا اس کے بعض حصے شریعت یا دستور سے متصادم ہیں تو اسے اوچھے ہتھکنڈوں کے استعمال کے بجائے اعلیٰ عدالتوں سے رجوع کرنا چاہئے اور اپنے موقف کو عدالت میں ثابت کرنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ علمائے کرام کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھنے والوں کو دیکھنا چاہئے کہ اگر آج ملک معاشی اعتبار سے دیوالیہ ہونے کو ہے یا ابھی تک ترقی کی منازل طے نہیں کر سکا تو اس میں قصور کس کا ہے۔ کیونکہ قیام پاکستان کے بعد سے اب تک ۵۶ برسوں میں مذہبی طبقات کے ہاتھ میں تو کبھی اقتدار نہیں رہا۔ اقتدار کی مسند پر تو ہمیشہ وہ طبقہ قابض رہا جو کالجوں اور یونیورسٹیوں کا تعلیم یافتہ' لبرل خیالات کا حامل اور سائنسی ترقی کا حامی تھا۔ ملکی وسائل پر قبضہ ہمیشہ سے انہی لوگوں کا رہا۔ اگر ہم اس کے باوجود دنیاوی علوم اور سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی نہیں کر سکے تو اس کا الزام اسی طبقے پر ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ ہمارے ترقی نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہم ہنس کی چال چلنے کی دھن میں اپنی تاریخ کو بھلا بیٹھے اور قرآن و سنت سے دوری کے باعث اب تک منزل سے دور ہیں۔ اگر ہم قرآن و سنت کی بالادستی کو غیر مشروط طور پر قبول کر لیں تو آج بھی ہمیں عروج مل سکتا ہے' بصورتِ دیگر ذلت و خواری اسی طرح ہمارا مقدر بنی رہے گی''۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ

آپ کا بچہ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم و تربیت سے بھی مستفید ہو' تو اسے

قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس

(اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور فون: 5833637)

میں داخل کرائیے...... جہاں **ایف اے' آئی کام' آئی سی ایس' ایف اے جنرل سائنس** اور **بی اے** کی معیاری تدریس کے ساتھ ساتھ قرآنی عربی کے بنیادی قواعد اور قرآن حکیم کے ایک منتخب نصاب کی تدریس بھی کی جاتی ہے...... نیز دینی و اخلاقی تربیت کا بھی خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے:

زیر اہتمام: **مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور**

مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب نمبر۲' از ڈاکٹر اسرار احمد

(اقامت دین کی جدوجہد کرنے والی جماعت کے اوصاف اور تنظیمی مسائل کے ضمن میں ہدایات)

درس ۲☆

اقامت دین کی فرضیت

اور اس کے لئے زوردار دعوت

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسوله الکریم ...... امّا بعدُ:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝﴾ (الشوریٰ:۱۳۔۱۵) ...... صدق اللہ العظیم

چند تمہیدی امور

اس منتخب نصاب (۲) کی ترتیب کے وقت میرے ذہن میں ایک پلان تھا' جس میں سب سے پہلی چیز یہ پیش نظر تھی کہ قرآن حکیم کی روشنی میں ہم پر واضح ہو جائے کہ

☆ مئی کے میثاق میں شائع ہونے والے درس پر سہواً درس ۲ شائع ہو گیا ہے' جس کی حیثیت دراصل درس ۱ ہی کی تیسری نشست کی تھی۔

دین کے ہم سے کیا تقاضے اور مطالبے ہیں! یعنی ہمارا دین ہم سے چاہتا کیا ہے! یہ چیز ہمارے سامنے رہے تو پھر ہم امکانی حد تک' جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید شامل حال ہوتی جائے' ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کمر بستہ ہوں۔ اس کی اہمیت پر میں نے بہت سے مواقع پر تقریریں کی ہیں' دروس دیئے ہیں' اس لئے میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ اگر یہ تصور ہی واضح نہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ ہم کسی درمیانی منزل کو آخری منزل سمجھ کر مطمئن ہو کر بیٹھ رہیں۔ ورنہ ہمارے سامنے یہ بات تو رہے گی کہ ع چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی! اور یہ چیز ہمیں آگے سے آگے بڑھاتی رہے گی۔ لہٰذا ہمیں اپنی منزل متعین کرنی ہے اور بلند ترین ہدف کے اعتبار سے اس کا تعین کرنا ہے۔ باقی یہ کہ چلنا قدم بقدم ہے۔ اگر ہم نے کچھ سیڑھیاں پھلانگ کر اوپر چڑھنے کی کوشش کی تو گرنے کا شدید اندیشہ ہے۔ چنانچہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں توازن کی ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ منزل بلند ہو' اور دوسرے یہ کہ چلنے کے اندر جو بھی تدریج مطلوب ہے اس کو ہم نظر انداز نہ کریں۔ اور یہ دونوں چیزیں بیک وقت ہونی چاہئیں۔ یہی وجہ ہے کہ اصلاً اس منتخب نصاب (۲) کے درس اوّل کا عنوان ''فرائض دینی کا جامع تصور'' ہے اور یہ ہے اصل میں وہ ربط جو منتخب نصاب (۱) سے قائم ہوتا ہے' جس کا میں حوالہ دے چکا ہوں۔ اسی لئے یہاں پہلے سورۃ الحج کی آخری دو آیات کا ذکر ہے۔ یہ ہمارے منتخب نصاب کا ایک بڑا مرکزی درس ہے۔ مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کا چوتھا حصہ جب شروع ہوتا ہے' تو اس حصے کا پہلا سبق یہی سورۃ الحج کا آخری رکوع ہے۔ اس کی پہلی چار آیات میں ایمانیات کی بحث ہے اور آخری دو آیات میں اب وہ تقاضے ہیں کہ اللہ چاہتا کیا ہے؟ چنانچہ ایک آیت میں تابڑ توڑ چار حکم ہیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ﴾ ''اے ایمان والو! رکوع کرو' سجدہ کرو' اپنے ربّ کی عبادت کرو اور بھلائی کے کام کرو''۔ یہ ہمارے فرائض دینی کی اوّلین سطح ہے: اللہ کی بندگی' اچھے اعمال اور اچھے کردار کو اختیار کرنا اور رکوع وسجود۔ یعنی ارکانِ اسلام پر کاربند ہونا۔

اس کے بعد اگلی آیت میں دوسری منزل کا ذکر ہے۔ وہ دوسری منزل جہاد فی سبیل اللہ کی پہلی منزل ہے۔ فرائض دینی کی پہلی سطح پر بھی لفظ ''مجاہدہ'' استعمال تو ہوتا ہے' مجاہدہ مع النفس نہیں کریں گے تو اللہ کے بندے کیسے بنیں گے؟ حرام سے کیسے بچیں گے؟ نفس کے خلاف جہاد کرنا ہے' لیکن اس کے لئے فی سبیل اللہ کی اصطلاح قرآن وحدیث میں نہیں ہے۔ وہ اپنے نفس سے مجاہدہ ہے' کشمکش ہے' تاکہ اسے اللہ کی اطاعت کا خوگر بنایا جائے۔ لیکن ''جہاد فی سبیل اللہ'' جو ایک مستقل اور مکمل اصطلاح بنتی ہے' اُس کی پہلی منزل' جو فرائض دینی کے اعتبار سے دوسری منزل ہے' وہ شہادت علی الناس ہے۔ فرمایا: ﴿وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ﴾ ''جہاد کرو اللہ کے لئے جتنا کہ اس کے لئے جہاد کا حق ہے''۔ ﴿هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ ''اس نے تمہیں چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی'' ﴿مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ؕ﴾ ''قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر''۔ ﴿هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ هٰذَا ﴾ ''اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے)''۔ آگے بیان کیا جا رہا ہے کہ اس جہاد فی سبیل اللہ کی غرض وغایت کیا ہے۔ اس کی غایت اولیٰ ہے: ﴿لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ ﴾ ''تاکہ رسول گواہ بنیں تم پر اور تم گواہ بنو پوری نوعِ انسانی پر''۔ رسول اتمامِ حجت فرمائیں تم پر اور تم اتمامِ حجت کرو پوری نوع انسانی پر۔ تو یہ گویا کہ ہمارے فرائض دینی ہیں۔ یہ دوسری منزل متعین ہو گئی۔ اس پر تفصیلی درس دینا اس وقت مقصود نہیں ہے' اس لئے کہ یہ ہمارے منتخب نصاب نمبر ایک کا اہم درس ہے' اس کے بے شمار کیسٹس موجود ہیں اور بہت مرتبہ آپ سب حضرات نے یہ درس خود مجھ سے براہِ راست بھی سنا ہوگا۔

اب اس کے بعد تیسری منزل آتی ہے' جس کے لئے ہمارے اس منتخب نصاب (۱) میں اہم ترین اصطلاح ''اظہار دین الحق علی الدین کلہٖ'' ہے۔ یعنی دین حق کو پورے کے پورے دین پر' پورے نظام زندگی پر غالب کر دینا۔ اس منتخب نصاب

میں سورۃ الصّف اسی موضوع پر مشتمل ہے اور یہ آیت اُس کا عمود ہے' main theme ہے' axis ہے' سنٹرل آئیڈیا ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ اللہ کے فضل وکرم سے اس پر نہ صرف میرے متعدد دروس موجود ہیں' بلکہ ''نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت'' کے عنوان سے میری ۲۴ صفحات کی ایک تحریر صرف اس ایک آیۂ مبارکہ پر ہے' جس کے بارے میں میں نے عرض کیا تھا کہ الحمد للہ مجھے اطمینان ہے کہ اس تحریر میں اس آیۂ مبارکہ کا حق ادا ہو گیا ہے۔ قرآن حکیم کی شان یہ ہے کہ اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے' لہٰذا بعد میں آنے والوں کے لئے مزید راستے کھلے ہوں گے' لیکن اس وقت کی حد تک میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اس تحریر کے بارے میں مجھے بعد میں کوئی ایسا احساس نہیں ہوا کہ کوئی بات غلط لکھی گئی ہے یا کہیں کوئی بات قابل اصلاح رہ گئی ہے۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ کسی شخص کی نیت میں کھوٹ نہ ہو اور کوئی بغض و عناد' عداوت' ہٹ دھرمی یا تعصب حائل نہ ہو جائے تو ان ۲۴ صفحات کے بعد اس آیت کے بارے میں کسی کے لئے بھی اشتباہ کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی کہ یہ دین کے تقاضوں میں آخری اور بلند ترین منزل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب یہاں اس کا حوالہ سورۃ الصّف کی طرف سے دے دیا گیا کہ سورۃ الصّف میں فرمایا گیا ہے کہ اس کے لئے جہاد کرو' یہ مقصد بعثت محمدی ﷺ ہے۔ لیکن ظاہر بات ہے اس کے لئے تن من دھن وہی لگائیں گے جو اہل ایمان ہیں' جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان کے مدعی ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۞ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞﴾

تو یوں سمجھئے کہ اُس منتخب نصاب (۱) کی ان پانچ آیات (سورۃ الحج کی آخری دو آیات اور سورۃ الصّف کی آیات ۹۔۱۱) کے ذریعے اس منتخب نصاب (۲) کے ساتھ اس کا تعلق جوڑا گیا ہے' جیسے ریل کی دو بوگیوں کو انٹرلاک کیا جاتا ہے۔ البتہ منتخب نصاب

(۲) کے دروس کی ان نشستوں میں مَیں نے اسی آیت ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ کے حوالے سے سورۃ الفتح کی آخری دو آیات کو پہلے لے لیا۔ اور ''اقامت دین کے لئے کام کرنے والوں کے مطلوبہ اوصاف'' کے عنوان سے ان کے دو درس ہوئے۔ پھر اسی عنوان کے تحت ایک درس سورۃ المائدۃ کی آیت ۵۴ کا ہوا۔

غلبہ واقامت دین کے لئے مختلف اصطلاحات

اب ہم اس سلسلے کا اگلا درس شروع کر رہے ہیں جس کا عنوان ہے ''اقامت دین کی فرضیت اور اس کے لئے زوردار دعوت''۔ یہ درس سورۃ الشوریٰ کی آیات ۱۳۔۱۵ اور آیات ۴۷‘۴۸ پر مشتمل ہے۔ ان آیات کا لفظ بلفظ مطالعہ شروع کرنے سے پہلے یہ نوٹ کر لیجئے کہ سورۃ الصف اور سورۃ الفتح میں جو اصطلاح ''اظہار دین الحق علی الدین کلہٖ'' وارد ہوئی ہے اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے قرآن میں تین مزید اصطلاحات ہیں۔ ایک سورۃ المدثر کی اصطلاح ''تکبیر ربّ'' ہے۔ فرمایا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۞ قُمْ فَاَنْذِرْ ۞ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۞﴾ ''اے لحاف میں لپٹنے والے! کھڑے ہو جاؤ‘ لوگوں کو خبردار کرو اور اپنے ربّ کی بڑائی کرو!'' یعنی زبان سے بھی اللہ اکبر کا اعلان کرو کہ ہمارا ربّ سب سے بڑا ہے‘ سب چھوٹے ہیں وہ بڑا ہے۔ اور پھر اس کی بڑائی کو عملاً دنیا کے اندر قائم کرو کہ وہ نظام برپا ہو جائے جس میں بالفعل اللہ کی بڑائی مسلّم ہو‘ اللہ کی بڑائی نافذ ہو۔ ورنہ تو وہ کہنے کی ایک بات ہے‘ اس کے سوا کچھ نہیں۔ تو تکبیر ربّ کا مفہوم بھی وہی ہو گیا جو دین کے غلبے کا مفہوم ہے۔ ایک دوسری اصطلاح اقامت دین ہے‘ جو سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ میں وارد ہوئی ہے۔ تیسری اصطلاح مدنی سورتوں میں سورۃ الانفال اور سورۃ البقرۃ میں آئی ہے‘ لیکن سورۃ الانفال میں زیادہ کامل شکل میں آئی ہے۔ فرمایا: ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ ''ان سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ وفساد بالکل فرو ہو جائے اور دین کل کا کل صرف اللہ کے لئے ہو جائے''۔ یہ درحقیقت تین مزید اصطلاحات ہیں جو ''اظہار دین الحق علی

الدین کلہٗ'' ہی کے مفہوم کو ادا کر رہی ہیں' صرف یہ کہ الفاظ بدلے ہوئے ہیں ؏ اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں! اس ضمن میں حدیث نبویؐ کی ایک اور اصطلاح اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ ایک حدیث میں الفاظ آئے ہیں: ((لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا)) ''تاکہ اللہ کی بات سب سے اونچی ہو جائے''۔ سب کی باتیں نیچی رہ جائیں اور اللہ کی بات سب سے اونچی ہو جائے۔ یہی مفہوم انجیل میں ''آسمانی بادشاہت'' کی اصطلاح کی صورت میں بیان ہوا ہے۔ زمین پر آسمانی بادشاہت قائم کرنے کا مطلب وہی ہو گیا کہ اللہ کا دین قائم کرنا۔ زمین پر کسی بادشاہ' کسی فرعون' کسی نمرود کی بادشاہی نہیں' کسی قوم کی بادشاہی نہیں' بلکہ آسمان کی بادشاہی قائم ہو۔ اور آسمان سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ بائبل کی Lord,s Prayer میں اسے اس طرح تعبیر کیا گیا ہے کہ:

Thy Kingdom come,
Thy will be done on earth
as it is in Heavens..

''اے ربّ! تیری حکومت آئے' تیری سلطنت قائم ہو جائے' اور تیری مرضی زمین پر بھی اسی طرح پوری ہو جس طرح آسمانوں میں پوری ہوتی ہے''۔

بیسویں صدی میں ہمارے کچھ اسلاف نے' جو اب اللہ کے ہاں جا چکے' اس کام کے لئے اپنی کوششیں کیں اور اس ضمن میں مختلف اصطلاحات استعمال کیں۔ اس سے قطع نظر کہ کون راستے میں تھک ہار کر رہ گیا اور کون غلط موڑ مڑ گیا' ہم ان اصطلاحات کا جائزہ لیتے ہیں۔ ان میں اوّلین مولانا ابوالکلام آزاد ہیں' جنہوں نے ''حکومتِ الٰہیہ کا قیام'' کی اصطلاح اختیار کی۔ یہی اصطلاح پھر مولانا مودودی نے اپنائی اور اسی زمانے میں علامہ مشرقی اور خیری برادران نے بھی غلبہ دین کے لئے یہی ''حکومتِ الٰہیہ کا قیام'' کی اصطلاح اپنائی' یعنی اللہ کی حکومت قائم ہو جائے۔ پھر جماعت اسلامی میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اس کی جگہ ''اقامت دین'' کی اصطلاح متعارف کرائی۔ مولانا مودودی کے قلم سے جماعت اسلامی کے قیام سے قبل جو ابتدائی

تحریریں نکلی ہیں ان میں حکومتِ الٰہیہ کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ اصلاحی صاحب مولانا فراہیؒ کے شاگرد تھے' ان کا خصوصی شغف قرآن مجید کے ساتھ تھا۔ چنانچہ شہادت علی الناس کی اصطلاح بھی انہوں نے متعارف کرائی اور اقامت دین کی اصطلاح بھی انہوں نے متعارف کرائی' یہاں تک کہ جماعت اسلامی کی تحریک میں یہ اصطلاح اتنی مقبول ہوئی کہ پھر حکومت الٰہیہ کی اصطلاح کو ترک کر دیا گیا اور جماعت اسلامی کے زیر اثر ایک ایک بچے کی زبان پر جو لفظ سب سے زیادہ سننے میں آنے لگا وہ اقامتِ دین تھا۔ البتہ ''اقامت دین'' چونکہ ایک ثقیل لفظ ہے جس کے معنی ہیں دین کو کھڑا کرنا' دین کو قائم کرنا' لہٰذا جب جماعت اسلامی نے سیاست کے میدان میں قدم رکھ دیا تو انہوں نے کوشش کی کہ اب اصطلاحات بھی ذرا زیادہ عام فہم ہونی چاہئیں تو انہوں نے ''قیامِ نظامِ اسلامی'' کی اصطلاح استعمال کی۔ مفہوم کے اعتبار سے کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ پھر ہمارے ہاں ۱۹۷۷ء میں بھٹو صاحب کے خلاف پاکستان قومی اتحاد (P.N.A.) کی جو تحریک چلی تھی' اس کے اندر جب دینی جذبہ پیدا ہوا اور اس کو مشرف باسلام کیا گیا تو اس میں ایک اصطلاح استعمال کی گئی ''نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ''۔ یہ اصطلاح مولانا شاہ احمد نورانی صاحب نے پیش کی تھی جسے اتحاد میں شامل جماعتوں نے قبول کر لیا اور پھر یہی اصطلاح اس تحریک کا عنوان بن گئی۔ مفہوم کے اعتبار سے یہ اصطلاح بھی متذکرہ بالا اصطلاحات کے ہم معنی ہے۔

اِس دور میں ان اصطلاحات میں ایک اصطلاح ''اسلامی انقلاب'' کا اضافہ ہوا ہے۔ اس لئے کہ جب زمانہ بدلتا ہے تو لوگوں کے ذہن کا صغریٰ کبریٰ تک بدلتا ہے' لہٰذا ابلاغ کے لئے نئی اصطلاحات کی ضرورت پیش آتی ہے۔ چنانچہ اسی سلسلۂ اصطلاحات میں ''اسلامی انقلاب'' کی اصطلاح سب سے زیادہ مؤثر' سریع الاثر اور سمجھنے میں آسان ہے۔ تو یہ ساری اصطلاحات ''عباراتُنا شتّٰی وحسنک واحدٌ'' کی مصداق ہیں۔ آپ اسے اظہار دین حق علی الدین کلہ کہیں' اقامتِ دین کہیں' ویکون الدین کلہ للہ کہیں' تکبیر ربّ کہیں' اعلائے کلمۃ اللہ کہیں' آسمانی بادشاہت کہیں' اللہ کی حکومت یا

حکومت الٰہیہ کہیں' نظامِ مصطفیٰ کا قیام کہیں' نظامِ اسلامی کا نفاذ کہیں یا اسلامی انقلاب کا نام دیں' مفہوم ایک ہی ہے۔

اس موضوع پر ''اقامت دین'' کی اس اصطلاح کو متعارف کرانے کے لئے سورۃ الشوریٰ کی آیات ۱۳۔۱۵ اور آیات ۴۷'۴۸ ہمارے اس منتخب نصاب (۲) میں درسِ دوم کے طور پر شامل کی گئی ہیں۔

سورۃ الحدید اور سورۃ الشوریٰ میں باہمی مماثلت

ان آیاتِ مبارکہ کے مطالعہ سے قبل ایک بات آپ آغاز ہی میں نوٹ فرمالیں۔ میرے مختلف دروس کے ذریعے سے بہت سے حضرات کے علم میں یہ بات آ چکی ہوگی کہ میرے قلب پر سورۃ الحدید کا انتہائی گہرا تاثر ہے اور میں مسلمانوں سے خطاب کے ضمن میں اس سورۂ مبارکہ کو قرآن مجید کا ذروۂ سنام سمجھتا ہوں' اور یہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ میں نے مطالعۂ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کا حرفِ آخر سورۃ الحدید کو قرار دیا ہے۔ اس کا نقطۂ آغاز سورۃ العصر ہے اور حرفِ آخر سورۃ الحدید۔ میرے نزدیک جو مقام مدنی سورتوں میں سورۃ الحدید کا ہے بالکل وہی مقام مکی سورتوں میں سورۃ الشوریٰ کا ہے۔ اور ان دونوں میں بڑی عجیب مماثلت ہے۔

سورۃ الشوریٰ حجم کے اعتبار سے سورۃ الحدید سے دوگنی ہے۔ اِس کی آیات ۵۳ ہیں' اُس کی ۲۹ ہیں۔ اور آپ دیکھیں گے کہ جس طرح سورۃ الحدید کی ابتدائی چھ آیات ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کے ضمن میں نہایت اہم ہیں اور ان میں ذات و صفاتِ باری تعالیٰ اعلیٰ ترین علمی و عقلی سطح پر اور اعلیٰ ترین فلسفیانہ سطح پر زیر بحث آئی ہیں' اسی طرح (دوگنے حجم کے پہلو سے) سورۃ الشوریٰ کی ابتدائی بارہ آیات ذات و صفاتِ باری تعالیٰ سے بحث کرتی ہیں اور ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور صفاتِ جلال کا بیان ہے۔ وہاں چھ آیات کے بعد ساتویں آیت میں تقاضا سامنے آتا ہے: ﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ...... ﴾ یہاں بارھویں آیت کے بعد تیرھویں آیت اس تقاضے پر مشتمل ہے: ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ﴾۔ کسی کے ماننے یا نہ ماننے سے اللہ کو کوئی فرق نہیں

پڑتا' وہ تو حقیقت کبریٰ ہے' وہ تو حقیقت مطلقہ ہے۔ لیکن اصل میں تمہاری نجات' تمہاری فلاح' تمہاری کامیابی کا دارومدار اس پر ہے کہ اس کو مانو جیسا کہ ماننے کا حق ہے اور اس کے حکم کو مانو جیسا کہ اس کے حکم کو ماننے کا حق ہے۔ اس کو ماننے کا حق کیا ہے؟ اس کا تقاضا کیا ہے؟ ایمان! چنانچہ فرمایا: ﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ﴾ ''ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر''۔ اور اس کے حکم کو ماننا کیا ہے؟ ﴿وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ﴾ ''اور (اُس کی راہ میں) لگادو' کھپادو' صرف کردو ان سب چیزوں میں سے کہ جن میں اس نے تمہیں خلافت اور اختیار عطا فرمایا''۔ سورۃ الحدید میں یہ انداز تھا۔ یہاں وہی چیز اقامتِ دین کی اصطلاح کے حوالے سے سامنے آئی: ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ﴾ ''کہ قائم کرو دین کو اور اس میں باہم تفرقہ مت ڈالو!''

پھر یہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ میزان کا لفظ کتاب کے ساتھ جڑ کر قرآن مجید میں صرف دو سورتوں میں آیا ہے' ایک سورۃ الشوریٰ اور دوسری سورۃ الحدید۔ یہاں فرمایا: ﴿اَللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ﴾ (آیت ۱۶) اور اسی طریقے سے بریکٹ ہو کر یہ دو الفاظ سورۃ الحدید میں آئے ہیں: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ کسی اور جگہ آپ کو یہ دو الفاظ اس طرح جڑے ہوئے نہیں ملیں گے۔ اور اس ضمن میں وہ اصول بھی پھر دوبارہ ہمارے سامنے آیا کہ اہم مضامین قرآن میں دو مرتبہ لازماً آتے ہیں۔ اس کی بھی گویا کہ ایک اور مثال آپ کے سامنے آ گئی۔

آیت ۱۳ کا مطالعہ اور مختلف تراجم کا تقابل

سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ کے بارے میں ایک بات یہ نوٹ کیجیے کہ یہ آیت بھی مشکلات القرآن میں سے ہے اور اس کی ترکیب نحوی بہت مشکل ہے۔ اس میں کہیں کوئی چیز محذوف ماننی پڑتی ہے اور اس کے دو ترجمے کیے گئے ہیں۔ میں صرف یہ عرض کروں گا کہ میں صرف ونحو میں اس مہارت کا مدعی نہیں ہوں کہ میں حَکَم بن کر بیٹھوں کہ

وہ ترجمہ غلط ہے اور یہ ترجمہ صحیح ہے' لیکن میرا دعویٰ یہ ہے کہ ان دونوں ترجموں سے نتیجے کے اعتبار سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اگر الفاظ کے اس طرح کے اختلاف کے باوجود نتیجہ وہیں پہنچ رہا ہو تو پھر الفاظ کے چکر میں اپنے آپ کو زیادہ الجھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا' بلکہ مفہوم کو دیکھئے' اس طرح بھی وہی مفہوم ہے اور اُس طرح بھی وہی۔

یہاں بھی اسی طرح کا معاملہ ہے جیسے آیہ اظہارِ دین میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ ﴿لِیُظْهِرَهٗ﴾ میں ایک ضمیر فاعلی ہے اور ایک ضمیر مفعولی "تا کہ وہ غالب کر دے اس کو"۔ اب ایک ہے غالب کرنے والا' ایک وہ جس کو غالب کیا جائے۔ اب ان دو ضمیروں کے جتنے بھی ممکنہ مراجع ہو سکتے ہیں ان سب کا احاطہ کر کے میں نے اپنے متذکرہ بالا مضمون میں ثابت کر دیا ہے کہ کہیں مفہوم میں فرق واقع نہیں ہوتا' بات ایک ہی ہے۔ اُسی کی ایک مثال یہ ہے کہ یہاں بھی آیت کے ایک ٹکڑے کے دو ترجمے کئے گئے ہیں' جو نتیجے کے اعتبار سے ایک ہی مفہوم کے حامل ہیں۔

اب ہم اس آیہ مُبارکہ (۱۳) کا مطالعہ شروع کرتے ہیں: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ﴾ شارع کہتے ہیں راستے کو۔ چلنے کی جو ہمارے پاس ایک سیدھی راہ ہے' صراطِ مستقیم ہے' وہ شریعت ہے۔ طریق بھی راستے کو کہتے ہیں' طریقت بھی چلنا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ شریعت ظاہری چلنا ہے اور طریقت باطنی چلنا ہے۔ لیکن ان دونوں میں کوئی فصل نہیں ہے۔ ظاہر و باطن ساتھ ساتھ ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ دونوں چیزیں (شریعت اور طریقت) ایک ہی مفہوم کی حامل ہیں' البتہ ان کا اطلاق مختلف پہلوؤں کے اعتبار سے ہو جاتا ہے۔ شارع بمعنی راستہ اردو میں مستعمل ہے' آپ کہتے ہیں یہ شارع عام نہیں ہے۔ تو ﴿شَرَعَ لَكُمْ﴾ کا مفہوم ہوگا: "راہ ڈالی تمہارے لئے"۔ اس کا مفہوم یہ بھی ہے: "معین کیا تمہارے لئے' عائد کر دیا تم پر"۔ آپ ان میں سے جو چاہیں ترجمہ اختیار کر لیں' اس کے مفہوم میں کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔ ﴿مِنَ الدِّيْنِ﴾ کے بھی دو مفہوم لئے گئے ہیں۔ یعنی "از قسم دین" یا "دربارۂ دین"۔ یہ میں نے فارسی کی دو اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ "دین میں وہ چیز مقرر کی گئی" یا "دین کے سلسلے

میں وہ چیز مقرر کی گئی''۔ نتیجہ میں آپ کو بعد میں بتادوں گا کہ کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔ ''تمہارے لئے دین میں (یا دین کے سلسلے میں یا دین کے ضمن میں) وہ چیز مقرر کی گئی''۔ ﴿مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا﴾ ''جس کی وصیت کی تھی نوح کو''۔ ''وصی'' کا فاعل کون ہے؟ اللہ! یعنی اللہ تعالیٰ نے وصیت کی نوح کو۔ وصیت کا لفظ ہمارے پہلے ہی درس (سورۃ العصر) کے اندر آتا ہے اور وہاں اس پر تفصیل سے بحث ہو جاتی ہے۔ یہ لفظ دو ابواب سے آتا ہے۔ اَوْصٰی . یُوْصِیْ . اِیْصَاءً : وصیت کرنا۔ وَصّٰی . یُوَصِّی . تَوْصِیَۃً باب تفعیل ہے۔ اس میں اہتمام ہے۔ یعنی پیہم اور مسلسل وصیت کرتے رہنا' جیسے ''اِعلام'' کا مفہوم کسی کو کوئی چیز بتا دینا ہے' جبکہ ''تعلیم'' کسی کو ذہن نشین کرانا' اس کو hammer کرنا ہے۔ اسی سے آتا ہے تَواصی ! آپس میں ایک دوسرے کو وصیت کرنا' یا اس میں مبالغے کا انداز پیدا ہو جائے گا کہ کثرت سے وصیت کرنا۔ یہاں وصّٰی ہے' بہت تاکیدی حکم۔ ''راہ ڈالی تمہارے لئے دین کے ضمن میں یا دین کے بارے میں (بسلسلہ دین یا دربارۂ دین) وہی جس کی وصیت کی تھی نوح کو'' ﴿وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ﴾ ''اور جس کی وحی کی ہے ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کی طرف''۔ اِلَیْکَ کی ضمیر مخاطب کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس سے حضور ﷺ مراد ہیں۔ ﴿وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی﴾ ''اور جس کی ہم نے وصیت کی اور تاکید کی ابراہیمؑ کو بھی اور موسٰیؑ کو بھی اور عیسٰیؑ کو بھی''۔

اب یہاں تک بات آپ نے سمجھ لی۔ تو یوں سمجھئے کہ اگر تو آپ ﴿شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ﴾ کا یہ ترجمہ کریں گے کہ ''دین کے ضمن میں وہی چیز مقرر کی ہے'' تو اس کا مطلب ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک دین ایک ہی ہے۔ یعنی وہی دین تمہارے لئے مقرر کیا جو نوح کے لئے' ابراہیم کے لئے' موسٰی کے لئے اور عیسٰی (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے لئے مقرر کیا اور اسی کی وحی کی ہے ہم نے اے محمد ﷺ آپ کی طرف۔ تو یہ تو ایک مراد ہوئی۔ دذ دوسری مراد یہ ہوگی کہ اس دین کے ضمن میں جو ذمہ داری نوح پر' ابراہیم پر' موسٰی پر اور عیسٰی پر (علیہم الصلوٰۃ والسلام) عائد

کی تھی اور جس کی وحی اے محمد ﷺ ہم آپ کو بھی کر چکے ہیں وہی ذمہ داری اے مسلمانو! ہم تم پر عائد کر رہے ہیں۔ تو نتیجے کے اعتبار سے کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ دین وہی ہے اور دین کے ضمن میں ذمہ داری بھی وہی ہے۔ عام طور پر یہ دوسرا مفہوم زیادہ لیا گیا ہے' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ نتیجے کے اعتبار سے ان دونوں میں سرِ مو کوئی فرق نہیں۔

ہمارے اور سابقہ امتوں کے مابین دین کی قدرِ مشترک؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ دین کی وحدت کیا ہے؟ اس میں ہمارے مفسرین کو بحث کرنی پڑی ہے۔ اس لئے کہ شریعت میں تو فرق ہے' شریعت موسوی اور ہے' شریعت محمدی اور ہے (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام)۔ اس اعتبار سے فرق ہے تو پھر دین ایک کیسے ہوا؟ ظاہر ہے اس میں وہی چیز مراد ہو سکتی ہے جو قدرِ مشترک ہو۔ اگر یہ مانا جائے کہ اس سے مراد ہے ''دین وہی مقرر کیا'' تب یہ بحث اٹھتی ہے' اگر یہ مانا جائے کہ دین کے ضمن میں وہی ذمہ داری تم پر عائد کی جو سب پر تھی' تو یہ بحث نہیں اٹھتی۔ اگر آپ یہ سمجھیں کہ وہی دین مقرر کیا گیا' تو اب دین میں جو ظاہری فرق و تفاوت ہے وہ ایک سوالیہ نشان بن کر سامنے آ جائے گا۔ اس کو ہمارے مفسرین نے resolve کیا ہے کہ دین کی وہ چیزیں جو قدرِ مشترک ہیں' وہی یہاں مراد ہو سکتی ہیں۔ اس لئے کہ ہمارا اور ان کا نظامِ صلوٰۃ یکسر مختلف ہے' روزے کے احکام میں ان کے اور ہمارے درمیان بڑا فرق ہے۔ ان کے ہاں قربانی پر بہت زور تھا' ہمارے ہاں قربانی کا معاملہ کم رہ گیا' ان کے ہاں نماز پر اتنا زور نہیں تھا' مگر ہمارے ہاں نماز کو عماد الدین یعنی اصل رکن دین قرار دیا گیا ہے۔ ان کے ہاں یومِ سبت کا ایک حکم تھا جو ان پر عائد کیا گیا تھا کہ اس روز کاروبارِ زندگی حرامِ مطلق تھا۔ ہمارے ہاں پورے ہفتے میں کوئی دن بھی ایسا نہیں ہے جس میں کاروبارِ دُنیوی حرامِ مطلق ہو۔ تاہم وہ حکم سمٹ کر آ گیا ہے ایک ساعت کے لئے' یعنی اذانِ جمعہ سے لے کر نمازِ جمعہ ادا ہونے تک۔ چنانچہ ہمارے ہاں وہ حکم بہت مختصر رہ گیا۔ تو یہ جو فرق و تفاوت ہے یہ اظہر من الشمس ہے۔ تو پھر قدرِ مشترک کیا ہے؟ ویسے تو ایمان قدرِ مشترک ہے' یعنی توحید' معاد اور رسالت۔ البتہ

رسالت کے معاملے میں فرق ہو جائے گا' کہ ان کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا ضروری تھا' حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانا لازم نہیں تھا' اس لئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ تو ابھی مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ ہمارے لئے محمد رسول اللہ ﷺ پر بھی اور سابقہ رسولوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ بھی ایک ضمنی سا فرق ہوا۔ لیکن اکثر مفسرین کا موقف یہ ہے کہ اس سے مراد توحید ہے اور اس پر تقریباً اجماع ہے۔ اس لئے کہ واقعتاً توحید ہی قدرِ مشترک ہے۔ توحید ہی اصل دین ہے' دین نام ہی توحید کا ہے۔

اقامتِ دین کا مفہوم اور مغالطوں کا ازالہ

اب آگے چلئے۔ فرمایا: ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ﴾ جنہوں نے یہ مانا کہ تمہارے لئے دین وہی مقرر کیا جس کی نصیحت کی تھی نوح کو' ابراہیم کو' موسیٰ کو' عیسیٰ کو (علیہم الصلوٰۃ والسلام) انہوں نے اس سے آگے محذوف مانا کہ اس کے ضمن میں تم پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ﴾ کہ دین کو قائم رکھو یا قائم کرو' اور دین کے ضمن میں آپس میں متفرق مت ہو جاؤ۔ اور جن لوگوں نے یہ مانا ہے کہ آیت کے آغاز ہی سے مطلب یہ ہے کہ دین کے ضمن میں (در بارۂ دین) تمہارے لئے وہی بات طے کی گئی ہے جو سب کے لئے طے تھی' تو وہاں اب محذوف نہیں ماننا ہو گا' ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ﴾ گویا اس کا بیان ہے کہ کیا چیز ہمیشہ سے عائد کی گئی تھی' کیا چیز لازم کی گئی تھی' سب کو خطاب یہی تھا ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ﴾ کہ دین کو قائم کرو یا دین کو قائم رکھو۔ یہ بحث مَیں بعد میں کروں گا۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے جو دو متبادل آراء ہمارے ہاں موجود ہیں وہ دونوں میں نے بیان کر دی ہیں' اور آپ نے دیکھ لیا ہے کہ نتیجے کے اعتبار سے دونوں میں سرِ مو کوئی فرق نہیں۔

اب آیئے اس پر کہ ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ﴾ کے معنی کیا ہیں! اس پر بدقسمتی سے اس زمانے میں ایک علامہ صاحب نے مورچہ لگایا ہے اور اس ضمن میں سب سے بڑی افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کے ایک کتابچے پر تائیدی مقدمہ اُن صاحب نے لکھا ہے کہ جو ''اقامت دین'' کی اصطلاح کو جماعت اسلامی کی تحریک میں متعارف کرانے

والے تھے۔ ہوتا یہی ہے کہ جب کسی چیز سے کسی سبب سے کوئی بُعد ہو جائے' کوئی بغض پیدا ہو جائے تو اب معاملہ حب علی کا نہیں بلکہ بغض معاویہ کا ہو جاتا ہے۔اب جو بھی اس کا مخالف ہو گا وہ اس کو اپنے سے قریب محسوس کرتے ہوئے اس کی تائید و توثیق کرنی شروع کر دے گا۔اس کی بدترین مثال اس دور میں مولانا اصلاحی صاحب نے قائم کی ہے اور میرے نزدیک ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!

اس شعر کا اس معاملے میں صد فی صد اطلاق ہوتا ہے۔اس لئے کہ خود انہوں نے پورے قرآن مجید میں ترجمہ وہی کیا ہے جس کو وہ علامہ صاحب غلط قرار دے رہے ہیں۔اُن علامہ صاحب کی تو ہمیں کوئی پروا نہیں ہے' لیکن مولانا اصلاحی صاحب کا ایک علمی مقام ہے اور بڑا افسوس ہوتا ہے اس پر کہ عمر کے آخری درجے میں آدمی اپنے کئے دھرے پر پانی پھیرنے پر تل جائے۔اصلاحی صاحب یا تو صاف صاف تسلیم کر لیتے کہ اس معاملے میں میرا سابقہ موقف غلط تھا اور آج مجھے اِنشراحِ صدر ہو گیا ہے' لیکن معاملہ یہ بھی نہیں۔ بہر حال چونکہ اسے بہت سے لوگوں تک پہنچایا گیا ہے اور اس ضمن میں کافی اشکالات ذہنوں میں پیدا کئے گئے ہیں' لہٰذا اس وقت یہ ہماری ایک جماعتی' تنظیمی اور تحریکی ضرورت ہے کہ اس جنگل کو صاف کیا جائے۔ ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ﴾ کا جو ترجمہ سب نے کیا وہی اصلاحی صاحب نے بھی کیا ''کہ اس دین کو قائم رکھو''۔ یہ لفظ سورۃ المائدۃ میں بھی آیا ہے' وہاں بھی اصلاحی صاحب نے اس کا ترجمہ ''قائم کرو'' کیا ہے' ملاحظہ ہو آیت ۶۸:

﴿قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾

''کہہ دو: اے اہل کتاب! تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہے جب تک تم تورات' انجیل اور اُس چیز کو قائم نہ کرو جو تمہاری طرف تمہارے ربّ کی جانب سے اتاری گئی ہے''۔(تدبر قرآن)

یعنی اصلاحی صاحب نے ایک جگہ ''قائم رکھنا'' اور ایک جگہ ''قائم کرنا'' ترجمہ کیا ہے اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کوئی چیز اگر بالفعل قائم نہیں ہے تو قائم کی جائے گی' قائم ہے تو قائم رکھی جائے گی۔ مثال کے طور پر خیمہ گرا ہوا ہے تو اسے کھڑا کیا جائے اور اگر کھڑا ہے تو کھڑا رکھا جائے۔ اگر آندھی آ رہی ہے تو اس کی ہر طرح سے حفاظت کی جائے کہ خیمہ گر نہ جائے۔ اس کے کھونٹے خوب اچھی طرح مضبوط کر دیئے جائیں' اس کی رسیاں خوب کس دی جائیں' کوئی رسی کمزور ہو تو اس کو بدل دیا جائے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ جھکڑ بہت زوردار آ رہا ہو تو لوگ خیمے کی طنابیں اور بانس پکڑ کر کھڑے رہیں۔ یہ سارے کام اس لئے ہیں کہ خیمے کو کھڑا رکھنا ہے۔ اور اگر وہ گر جائے تو لامحالہ اب اس کو از سر نو کھڑا کرنا ہوگا۔ تو ''اقیموا'' فعل متعدی ہے' اس کا ترجمہ یہی ہوگا کہ کسی دوسری شے کو کھڑا کرنا یا کھڑا رکھنا۔ لیکن آج ہمیں یہ نیا ترجمہ بتایا جا رہا ہے کہ اس کے معنی تو ہیں ''کھڑا رہنا' قائم رہنا''۔ گویا کہ یہ فعل لازم ہے۔ اس کے لئے بہت سے جاہلی اشعار سے استدلال کیا گیا ہے اور اس میں بھی بڑی چالاکی اور بددیانتی سے کام لیا گیا ہے۔ ایک شعر میں اقامت کے بعد ''عَلٰی'' کا صلہ آیا ہے' اس سے تو معنی یقیناً بدل جائیں گے' کیونکہ preposition سے verb کے مفہوم بدل جاتے ہیں۔ to give کے معنی اور ہیں' to give up کے معنی کچھ اور ہیں' to give in کے معنی کچھ اور ہیں۔ preposition بدلنے سے تو معنی میں زمین آسمان کا فرق واقع ہو جاتا ہے۔ اب سارے پڑھنے والے اتنی باریک بینی سے تو پڑھیں گے نہیں۔ تو یہ ایک دھوکہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ ایک جگہ لفظ استقامۃ آیا ہے' اس کے معنی ہم بھی مانتے ہیں کہ ''کھڑے رہنا'' کے ہیں۔

یعنی اقامت کس شے کی ہے؟ کوئی معنوی شے ہے' کوئی مادی شے ہے جسے کھڑا کرنا ہے' کوئی ستون گرا ہوا ہے اسے کھڑا کرنا اقامت ہے۔ نماز معنوی شے ہے' اس کو کھڑا کرنا ہے' اس کو قائم کرنا ہے۔ ہمیں ہمیشہ سے یہی بتایا جاتا رہا ہے کہ اقامت صلوٰۃ سے مراد صرف نماز پڑھنا نہیں ہے بلکہ نماز کے پورے نظام کو اس کے شرائط و آداب

کے ساتھ قائم کرنا ہے۔ جمعہ اور جماعت کا نظام' اس کے لئے اذان کا معاملہ' یہ ساری چیزیں بھی اقامت صلوٰۃ میں شامل ہیں۔ تو اقامت کے معنی کھڑا کرنا یا کھڑا رکھنا کے ہیں' اگرچہ اس کا شاذ استعمال کھڑا ہونے کے لئے بھی ہو جاتا ہے۔

اچھا اب اس میں ایک اور بات پر غور کیجئے! اگر ہم یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ ''قائم رہو دین پر'' تو سوال پیدا ہوگا دین کے معنی کیا ہیں؟ کیا اس کا مطلب جزوی دین پر قائم رہنا ہوگا یا کلی دین پر قائم رہنا؟ اگر کلی دین پر قائم رہنا ہے تو پھر بھی اقامت دین فرض ہوگی' کیونکہ صرف عبادات اور اعتقادات ہی پر تو قائم نہیں رہنا ہے۔ کیا شریعت دین کا جزو ہے یا نہیں؟ کیا حلال اور حرام کے احکام دین کا جزو ہیں یا نہیں؟ کیا حدود و تعزیرات دین کا جزو ہیں یا نہیں؟ اگر یہ سب کچھ دین میں شامل ہے تو ''قائم رہو دین پر'' ٹھیک ہے۔ اس پورے دین پر قائم رہنا ہے تو اس کے ایک تقاضے اور منطقی نتیجہ کے طور پر دین کو ایک کامل نظامِ زندگی کی حیثیت سے قائم کرنا از خود شامل ہو جائے گا۔ تو وہ ترجمہ کریں تب بھی نتیجہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے' بشرطیکہ آپ کا دین کا تصور محدود نہ ہو۔ اگر آپ کا تصورِ دین صرف عقائد اور عبادات تک محدود ہے تو اور بات ہو جائے گی۔ پھر تو آپ نے اپنے عقائد درست کر لئے' عبادات پر کاربند ہو گئے تو گویا کہ آپ دین پر قائم ہو گئے۔ لیکن اگر آپ کا تصورِ دین یہ ہے کہ دین تو اس سے وسیع تر شے ہے' دین پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے تو پھر اگر کوئی شخص ﴿اَقِیْمُوا الدِّیْنَ﴾ کا یہ ترجمہ کرنے پر تل ہی جائے تب بھی قرآن مجید اپنے مفاہیم کی حفاظت کر سکتا ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿لَا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہٖ﴾

''باطل اس پر حملہ آور ہو ہی نہیں سکتا' نہ سامنے سے نہ پیچھے سے''۔

کچھ کم علم لوگ' یا جن کی نیتوں میں خلل ہو جائے' کچھ لوگوں کو کچھ عرصہ کے لئے مغالطے اور اشتباہ میں ڈال دیں تو یہ بات اور ہے' ورنہ قرآن تو اپنی اتنی حفاظت کرتا ہے کہ چلو کر لو دین پر قائم رہنے کا ترجمہ' تب بھی نتیجہ وہیں پہنچے گا۔ تمہارے لئے اس

سے مفر نہیں' کہ اس کا بھی ایک لازمی تقاضا دین کو قائم کرنا ہے۔

توحید کی اقسام اور ان کا مفہوم

یہاں اب ایک اور لطیف نکتہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک دین کس طرح ایک رہا ہے۔ دراصل یہ توحید ہے جو قدرِ مشترک رہی ہے' یہی دین کا اصل الاصول ہے۔ میں اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و احسان سمجھتا ہوں کہ توحید کو میں نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے — توحید کے دو حصے ہیں:

i) توحید نظری یا توحید فی العقیدہ — یعنی اللہ کو ایک ماننا۔

ii) توحید عملی — ایک اللہ کا بندہ بن جانا۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿وَلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا ۞﴾ (الکہف: ۱۱۰) ''اور وہ بندگی میں اپنے ربّ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے''۔ یعنی بندہ عبادات کے اندر یکسو ہو جائے' اس کی اطاعت منقسم نہ ہو کہ ایک معاملے میں تو اللہ کی اطاعت کر رہا ہو اور دوسرے معاملے میں اس کی اطاعت نہ کرے۔ دوسری تمام اطاعتیں اللہ کی اطاعت کے تابع ہو جائیں۔ والدین کی اطاعت' اساتذہ کی اطاعت' حکام کی اطاعت' امیر اور مرشد کی اطاعت' ان میں سے اگر کوئی بھی اطاعت اللہ کی اطاعت سے آزاد (independent) ہو تو وہ شرک ہے۔ اگر اپنے نفس کی اطاعت اس درجے کی ہو تو اسے بھی قرآن نے شرک قرار دیا ہے: ﴿اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـھَہٗ ھَوٰىہُ ﴾ ''(اے نبی!) کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشاتِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟''

توحید عملی کے بھی دو حصے ہیں: (۱) انفرادی (۲) اجتماعی۔

انفرادی توحید پر بحث سورۃ الزمر میں آتی ہے' جبکہ اجتماعی توحید کا مطلب اللہ کے دین کو غالب کرنا ہے۔ اس اجتماعی توحید ہی کے لئے تکبیر ربّ' اقامت دین' اظہار دین الحق علی الدین کلہٖ اور یکون الدین کلہٗ للہ کی قرآنی اصطلاحات آئی ہیں۔ اس اجتماعی توحید ہی کے لئے اعلائے کلمۃ اللہ' حکومت الٰہیہ کا قیام اور زمین پر آسمانی

بادشاہت کا قیام جیسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔یعنی پورا نظامِ زندگی ایک اللہ کے اختیارِکلی کے تحت آ جائے۔تو وہی بات ہوگئی کہ ''عباراتنا شتّٰی وحسنک واحد''۔ جنت کے بہت سے دروازے ہیں' جس دروازے سے بھی داخلہ ہو جائے سعادت ہی سعادت ہے۔ یوں سمجھئے کہ یہ شہرِ معانی ہے' اس کے دروازے بہت سے ہیں' آپ کسی دروازے سے داخل ہو جائیں' کسی اصطلاح کے حوالے سے بات سمجھ لیں۔ایک اصطلاح آپ کے ذہن کی ساخت کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی تو دوسری اصطلاح حاضر ہے' شاید آپ کے ذہن کے سانچے میں یہ زیادہ فٹ بیٹھ جائے۔ مطلب تو پیڑ گننے سے نہیں' آم کھانے سے ہے۔اگر مفہوم میں کوئی فرق واقع نہیں ہو رہا تو خواہ مخواہ کا قیل وقال کس لئے!

''تفرق فی الدین'' کی ممانعت

آگے فرمایا: ﴿وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ﴾ ''اور اس (دین) میں متفرق نہ جاؤ''۔ فَرَّقَ یُفَرِّقُ (بابِ تفعیل) کا مفہوم ہے: کسی چیز کو پھاڑ دینا' کاٹ دینا' ٹکڑے ٹکڑے کر دینا' جبکہ تَفَرَّقَ . یَتَفَرَّقُ کا مطلب ہے: خود متفرق ہو جانا' خود ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا' خود بٹ جانا' گروہوں میں منقسم ہو جانا۔

﴿وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ﴾ میں فِیْهِ (اس میں) کا معنی ہے ''دین میں''۔یعنی دین میں متفرق نہ ہو جاؤ۔اس کی وضاحت کے لئے ''القرآن یفسر بعضه بعضًا'' کا اصول استعمال کرتے ہوئے سورۃ الممتحنہ کی آیات ۸ اور ۹ کا مطالعہ کرتے ہیں' جہاں ''فِی الدین'' کا لفظ آیا ہے:

﴿لَا یَنْهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۞ اِنَّمَا یَنْهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۞﴾

''اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور

انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔ ان سے جو لوگ دوستی کریں وہی تو ظالم ہیں''۔

سورۃ الممتحنہ کی متذکرہ بالا آیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ''دین کے معاملہ میں'' یا ''دین کے بارے میں'' یا ''دین کے ضمن میں'' کا مفہوم کیا ہے۔ چنانچہ ﴿وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ﴾ کا مطلب کیا ہوگا؟ ''فِیْهِ'' کی ضمیر مجرور ''ہ'' کا مرجع ''دین'' ہے۔ یعنی ''فِیْهِ'' سے مراد ''فِی الدِّیْنِ'' ہے۔ چنانچہ ﴿اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ﴾ کا مفہوم ہوگا ''دین کو قائم کرو اور اس کے بارے میں متفرق نہ ہو جاؤ!''

تفرقہ اور اختلاف میں فرق

اب یہ بہت ہی اہم نکتہ ہے اور اس میں آپ کو بہت گہری ہدایت اور رہنمائی ملے گی کہ تفرقہ اور اختلاف دو بالکل الگ چیزیں ہیں اور ان میں باہم خلط مبحث نہیں ہونا چاہئے۔ اول تو ان دونوں الفاظ میں فرق ہے۔ اسی سورۂ مبارکہ کی آیت ۱۰ میں اختلاف کا ذکر ہے۔ فرمایا: ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُکْمُهٗ اِلَی اللّٰهِ﴾ ''تمہارے مابین جس معاملے میں بھی اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ ہے اللہ کے حوالے''۔ اختلاف ایک لفظ ہے اور تفرقہ ایک دوسرا لفظ۔ اختلاف ہماری زبانوں میں ہے' ہمارے مزاجوں میں ہے' ہماری رنگتوں میں ہے' ہمارے افتادِ طبع میں ہے۔ ہر گُلے را رنگ و بوئے دیگر است۔ بقول شاعر ع

اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے!

اختلاف تو اس فطرت کی تخلیق کے اندر جزو لاینفک کی حیثیت سے مضمر ہے۔ اصل میں قرآن جہاں مذمت کرتا ہے وہ تفرقے کی کرتا ہے۔ ایک دوسرے سے کٹ جانا' جدا ہو جانا' من دیگرم تو دیگری' یہ نہیں ہونا چاہئے' بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ اختلاف کو برداشت

کرو' اپنے سینے کشادہ رکھو' اپنے دلوں کو کشادہ رکھو۔ جہاں تک اختلاف جائز حدوں میں ہو اس کے لئے گنجائش خود پیدا کرو۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کی گنجائش حضور ﷺ نے خود پیدا فرمائی ہے۔ آپؐ نے نماز میں کبھی ہاتھ سینے پر باندھے اور کبھی ناف پر۔ کبھی ہاتھ کھول کر بھی لازماً نماز پڑھی ہوگی' ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ امامِ دار الہجرت امام مالکؒ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے! یقیناً یہ چیزیں حضور ﷺ سے ثابت ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ کس کس چیز میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ البتہ تفرقہ نہ ہو جائے کہ من دیگرم تو دیگری!

مختلف فقہی مسالک کے مابین فقہی اختلافات ہیں۔ ہر فرقہ کے استنباط کے کچھ اصول ہیں' جن کے اعتبار سے ایک فرق کیا جا رہا ہے۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف قطعاً نہیں ہے کہ شارعِ حقیقی اللہ اور اس کے رسول ہیں۔ لیکن اصولِ استنباط میں اختلاف ہو گیا۔ اب ان اصولوں کا انطباق کیا گیا تو مختلف فقہی مسالک وجود میں آ گئے۔ اس میں قطعاً کوئی حرج نہیں ہے کہ مسلک حنفی' مسلک شافعی' مسلک حنبلی اور مسلک مالکی کے اعتبار سے آپ علیحدہ علیحدہ رہیں۔ یہ کفر اور شرک نہیں ہے' جبکہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ اصل میں شارعِ حقیقی اللہ ہے اور اللہ کے نمائندے کی حیثیت سے اللہ کا رسول ﷺ ہے۔ اگر کسی نے یہ سمجھا کہ شارع کی حیثیت ابوحنیفہ' شافعی' مالک یا احمد بن حنبل (رحمہم اللہ) کو حاصل ہے تو وہ مشرک ہو جائے گا۔ لیکن جب استنباط' استدلال اور استخراج کے مختلف اصولوں اور اسلوبوں کے فرق سے مسلک کا اختلاف ہو جائے تو اس میں قطعاً کوئی حرج نہیں۔ یہ تفرقہ نہیں کہلائے گا۔ البتہ جہاں یہ اختلاف توحید تک پہنچ جائے اور اللہ کے سوا کسی اور کو مستقل شارع مان لیا جائے تو یہ تفرقہ ہوگا' اسی طرح اللہ کی بجائے جمہور حاکم ہوں تو یہ تفرقہ ہو گیا۔ اللہ کی بجائے کوئی فرد حاکم ہے تو یہ تفرقہ ہو گیا۔ جب تک وہ بات قائم ہے' وہ توحید اصلی کہ حاکم مطلق اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے تو اس سے نیچے نیچے اختلاف تفرقہ فی الدین نہیں شمار ہوگا۔ یعنی توحید جو قدر مشترک ہے' جو دین کی اساس ہے' جو دین کی جڑ ہے اس میں تفرقہ نہ ہو۔

﴿وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ ''فیہ'' میں ''ہ'' کی ضمیر مجرور دین سے متعلق بھی ہے کہ اس دین کے بارے میں متفرق نہ ہو جاؤ اور اس کا تعلق اقامت دین سے بھی ہے

کہ دین کے قائم کرنے میں متفرق نہ ہو جاؤ! میں ابتدا سے جو دو ترجمے لے کر چل رہا ہوں ان کے اعتبار سے یہ دوسرا مفہوم ہو گا۔ پہلا مفہوم یہ ہو گا کہ دین تمہارے لئے ایک ہی مقرر کیا گیا' اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ دین کے ضمن میں تم سب پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ اسے قائم کرو' اس فرض کی ادائیگی میں متفرق نہ ہو! حنفی' مالکی' حنبلی' شافعی اور اہل حدیث کا اختلاف اپنی جگہ رہے' لیکن اقامت دین میں آ کر سب جڑ جائیں۔ توحید عملی کے قیام میں تفرقہ نہ ہو۔ یہاں اگر کٹ گئے تو یہ ہے اصل کاٹ' یہ ہے اصل تفرقہ۔ تو ان دونوں اعتبارات سے میں بات کو مکمل کرتے ہوئے آگے بڑھ رہا ہوں۔

یہی لفظ (تفریق) دین کو پھاڑنے کے لئے بھی قرآن میں آیا ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ﴾ (الانعام: ۱۵۹) ''جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں''۔ کبھی آپ نے غور کیا کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ اگر وہاں سے تفرقہ ہو گیا کہ حاکمیت خداوندی کے تصور کو اگر کہیں کوئی زک پہنچ گئی یا وہ مجروح ہو گیا تو یہ تفرقہ اور تفریق دین ہو گا۔ حضرت مسیحؑ کی طرف جو یہ الفاظ منسوب ہیں کہ ''جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو'' یہ تفریق فی الدین ہے۔ میں حضرت مسیحؑ کے ان الفاظ کا وہ مطلب نہیں سمجھتا لیکن جو مطلب سمجھا جاتا ہے وہ تو دین میں تفریق ہو گئی۔ آپ نے دین کو پھاڑ دیا کہ دین کا ایک حصہ اللہ کے لئے اور ایک حصہ قیصر کے لئے۔ یہ بلاشبہ دین کی تفریق ہے۔ سیکولرزم بھی دین کی تفریق ہے کہ جو احوالِ شخصیہ ہیں ان میں ہم دین پر چلیں گے' مگر جو احوالِ اجتماعیہ ہیں ان میں لوگوں کی جو مرضی ہو گی اس کے مطابق قانون سازی ہو گی۔ وہاں گویا کہ حاکمیت انسانی تسلیم کی جاتی ہے۔ باقی مسلکوں کا جو اختلاف ہے اُس کے اوپر اس کا اطلاق درست نہیں ہے۔ اس میں دین پھٹتا نہیں ہے' دین برقرار رہتا ہے' سب اللہ ہی کو حاکم مانتے ہیں' سب اسی کو شارع اصلی مانتے ہیں۔ میں اللہ کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ یہ چیزیں اس وقت بالکل دو اور دو چار کی طرح واضح ہو گئی ہیں۔ (جاری ہے)

مسلمان کا طرزِ حیات (۳۰)

علامہ ابوبکر جابر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب الاداب

گیارھواں باب

آدابِ سفر

سفر انسانی زندگی کی ایک لازمی ضرورت ہے جس سے مفر ممکن نہیں۔ مسلمان کو بہت سے ایسے اعمال سرانجام دینے پڑتے ہیں جن کے لئے سفر ضروری ہے۔ اور یہ کام فرض بھی ہیں اور واجب بھی' مثلاً حج' عمرہ' جہاد' طلب علم' تجارت' بھائیوں سے ملاقات وغیرہ۔ اس لئے شریعت نے سفر کے احکام و آداب کو خاص اہمیت دی ہے۔ اور ایک نیک مسلمان کے لئے ان آداب کو سیکھنا اور ان پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

سفر کے احکام

(۱) **نماز میں قصر:** یعنی جن نمازوں میں چار رکعت فرض نماز ادا کی جاتی ہے' سفر میں دو رکعت نماز ادا کی جائے گی۔ البتہ مغرب کی تین رکعتیں پڑھی جائیں گی۔ قصر اس وقت سے شروع ہو گی جب وہ اس شہر سے نکل جائے جہاں اس کی رہائش ہے اور دوبارہ اس شہر میں آنے تک قصر کا حکم باقی رہے گا۔ البتہ اگر وہ جس شہر میں گیا ہے وہاں' یا راستے میں کسی جگہ چار دن[۱] یا زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ کر لے تو اس صورت میں وہ پوری نماز پڑھے گا۔ پھر جب اس سے نکل کر اپنے وطن کی طرف روانہ ہو گا تو اپنے شہر پہنچنے تک نماز

---

[۱] فاضل مؤلف نے اپنے فقہی مسلک کے اعتبار سے مدت قیام "چار دن" تحریر کی ہے۔ واضح رہے کہ فقہ حنفی کے مطابق پوری نماز پندرہ دن یا زائد قیام کی صورت میں پڑھنی ہو گی' اس سے کم قیام کی صورت میں نماز قصر ادا کی جائے گی۔

قصر ادا کرتا رہے گا۔ اس کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ... ﴾ ○ (النِّساء: ۱۰۱)

"اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تمہیں کوئی گناہ نہیں کہ نماز میں قصر کرلو۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکّہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھتے رہے حتیٰ کہ ہم واپس مدینہ پہنچ گئے"۔ (۱)

(۲) موزوں پر مسح: سفر میں موزوں پر تین دن رات تک مسلسل مسح کیا جا سکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے سفر میں تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات کی مدت مقرر کی"۔ (۲) یعنی اتنی مدت کے لئے موزوں پر مسح کرنے کی اجازت دی۔

(۳) تیمم: سفر میں جب پانی نہ ملے' یا تلاش کرنا مشکل ہو' یا بہت مہنگا ملتا ہو تو تیمم کرنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ﴾ (النِّساء: ۴۳)

"اور اگر تم بیمار ہو' یا سفر میں ہو' یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آیا ہو' یا تم نے عورتوں سے لمس کیا ہو' پھر تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو' اور اس سے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرلو۔"

(۴) روزہ چھوڑنا: سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ﴾

(البقرۃ: ۱۸۴)

"پھر تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرے۔"

(۵) نفل نماز: نفل نماز سواری پر بھی ادا کی جا سکتی ہے اگرچہ جانور کا منہ قبلہ کی طرف نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز ادا کرتے

رہتے تھے' اونٹنی کا منہ جدھر بھی ہوتا"۔ (۳)

⑥ دو نمازیں جمع کرنا: اگر سفر تیزی سے کرنا مقصود ہو تو ظہر اور عصر میں اور مغرب اور عشاء میں جمع تقدیم جائز ہے۔ یعنی ظہر اور عصر دونوں نمازیں ظہر کے وقت میں ادا کر لے' اسی طرح مغرب اور عشاء دونوں کو مغرب کے وقت ادا کر لے۔ مذکورہ بالا صورتِ حال میں جمع تاخیر بھی جائز ہے۔ یعنی ظہر کو عصر کے وقت لیٹ کر کے دونوں نمازیں عصر کے وقت میں ادا کر لے۔ اسی طرح مغرب کو مؤخر کر کے عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھ لے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ہم لوگ غزوۂ تبوک میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ (سفر پر جنگ کے لئے) روانہ ہوئے تو حضور علیہ السلام ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی اور مغرب اور عشاء کی اکٹھی ادا کرتے تھے"۔ (۴)

سفر کے آداب

① اگر کسی کی امانت سفر پر جانے والے کے پاس ہو تو روانہ ہونے سے پہلے امانت واپس کردے۔ اگر کسی پر ظلم و زیادتی سرزد ہو گئی ہے تو اس کی تلافی کرے۔ کیونکہ سفر میں وفات بھی واقع ہو سکتی ہے۔

② حلال کی کمائی سے سفر کا خرچ تیار کرے۔ اور جن کا نان و نفقہ اس کے ذمے ہے' مثلاً بیوی' اولاد اور والدین' ان کے خرچ کے لئے مناسب مقدار میں مال چھوڑ کر جائے۔

③ اپنے گھر والوں' بھائیوں اور دوستوں کو الوداع کہے اور ان کے لئے یہ دعا کرے: اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ وَاَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ اَعْمَالِكُمْ "میں تمہارا دین' تمہاری امانت اور تمہارے اعمال کا انجام اللہ کے سپرد کرتا ہوں"۔ اسے روانہ کرنے والے یہ دعا دیں: زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَوَجَّهَكَ اِلَى الْخَيْرِ حَيْثُ مَا تَوَجَّهْتَ "اللہ تعالیٰ تقویٰ کو تیرا زادِ راہ بنائے' تیرے گناہ معاف کرے اور تو جدھر بھی رخ کرے اللہ تیرا رخ خیر کی طرف کرے"۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لقمان نے فرمایا: "جب اللہ کی حفاظت میں کوئی چیز دی جائے تو اللہ اس کی حفاظت فرماتا ہے"۔ (۵) جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوداع کہتے وقت فرمایا کرتے تھے: ((اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ)) "میں تیرا دین' تیری امانت اور تیرے عمل کا انجام

اللہ کے سپرد کرتا ہوں"۔ (۶)

④ سفر کے لئے ایسے تین چار ہم سفر منتخب کرے جو اس کے ساتھ سفر کرنے کے لائق ہوں۔ اور مثل مشہور ہے کہ "سفر انسان کو ظاہر کردیتا ہے"۔ عربی زبان میں "سفر" کے لفظ کا مطلب "ظاہر کرنا" ہے۔ اور سفر اسی لئے "سفر" کہلاتا ہے کہ اس سے انسان کے اخلاق ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس مسئلہ کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان ہے:

((اَلرَّاکِبُ شَیْطَانٌ وَالرَّاکِبَانِ شَیْطَانَانِ وَالثَّلَاثَۃُ رَکْبٌ)) (۷)

"ایک سوار شیطان ہے' اور دو سوار دو شیطان اور تین سوار قافلہ ہیں"۔

نیز ارشاد ہے:

((لَوْ اَنَّ النَّاسَ یَعْلَمُوْنَ مِنَ الْوَحْدَۃِ مَا اَعْلَمُ مَا سَارَ رَاکِبٌ بِلَیْلٍ وَحْدَہٗ)) (۸)

"اگر لوگوں کو تنہائی کے متعلق وہ باتیں (نقصانات اور خطرات) معلوم ہوں جو مجھے معلوم ہیں تو کوئی سوار رات کو اکیلا سفر نہ کرے"۔

⑤ مسافروں کو چاہئے کہ اپنے میں سے ایک شخص کو "امیر سفر" مقرر کرلیں جو ان کے مشورے سے ان کی قیادت کا فریضہ انجام دے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِذَا خَرَجَ ثَلَاثَۃٌ فِیْ سَفَرٍ فَالْیُؤَمِّرُوْا اَحَدَھُمْ)) (۹)

"جب تین آدمی سفر میں نکلیں تو اپنے میں سے ایک کو امیر مقرر کرلیں"۔

⑥ سفر سے پہلے "نمازِ استخارہ" ادا کی جائے' کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ہر کام میں نمازِ استخارہ ادا کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اور حضور علیہ السلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس طرح اہتمام سے یہ دعا سکھایا کرتے تھے جس طرح قرآنِ مجید کی کوئی سورت سکھاتے تھے۔ (۱۰)

⑦ جب گھر سے نکلے تو یہ دعا پڑھے:

((بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ' لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ' اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْھَلَ اَوْ یُجْھَلَ عَلَیَّ)) (۱۱)

"اللہ کے نام سے روانہ ہوتا ہوں' اللہ پر بھروسا کرتا ہوں' اللہ کی مدد کے بغیر نہ (برائی اور تکلیف سے) بچاؤ ہے نہ (نیکی اور صحیح کام کرنے کی) طاقت۔ اے اللہ! میں

تیری پناہ میں آتا ہوں اس بات سے کہ میں بھٹکوں یا کوئی مجھے بھٹکائے' یا میں ڈگمگاؤں یا کوئی مجھے ڈگمگائے' یا میں ظلم کروں یا مجھ پر کوئی ظلم کرے' یا میں بدتمیزی کروں یا مجھ سے کوئی بدتمیزی کرے"۔

جب سواری پر سوار ہو تو یوں کہے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ' وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ' مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَاْ لَمْ يَكُنْ' سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ' اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ فِيْ سَفَرِيْ هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى. اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِعَنَّا بُعْدَهٗ. اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ. اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَابَةِ الْمَنْظَرِ' وَخَيْبَةِ الْمُنْقَلَبِ' وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْمَالِ وَالْاَهْلِ وَالْوَلَدِ (۱۲)

"اللہ کے نام سے' اور اللہ کی مدد سے (سفر شروع کرتا ہوں) اور اللہ سب سے بڑا ہے' میں نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ بلندیوں والے عظمتوں والے اللہ کی مدد کے بغیر نہ بچاؤ ہے نہ طاقت۔ جو اللہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو کچھ وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے جس نے اس (سواری) کو ہمارے بس میں کردیا اور ہم اسے قابو نہیں کرسکتے تھے' اور ہم یقیناً اپنے مالک ہی کے پاس واپس جانے والے ہیں۔ اے اللہ! میں تجھ سے اس سفر میں نیکی' تقویٰ اور ان اعمال کا سوال کرتا ہوں جن سے تو راضی ہو جائے۔ اے اللہ! ہمارے لئے ہمارا یہ سفر آسان فرمادے اور اس کا فاصلہ سمیٹ دے۔ اے اللہ! سفر میں تیرا ہی ساتھ ہے اور ہمارے پیچھے گھر اور مال میں تو ہی (نگران اور محافظ) ہے۔ اے اللہ! میں سفر کی مشقت سے' پریشان کن منظر سے' ناکام واپسی سے اور مال' اہل اور اولاد میں کوئی بری چیز (حادثہ وغیرہ) ہونے سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔"

(۸) جمعرات کو صبح کے وقت سفر شروع کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا)) (۱۳)

"اے اللہ! میری امت کو صبح کے اوقات میں برکت عنایت فرما"۔

اور احادیث میں وارد ہے کہ آنحضور ﷺ جمعرات کو سفر میں نکلتے تھے۔[۱۴]

⑨ ہر اونچی جگہ پر اللہ اکبر کہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں سفر کرنا چاہتا ہوں' مجھے نصیحت فرمایئے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

((عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالتَّكْبِيْرِ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ))[۱۵]

"اللہ کا خوف رکھنا' اور ہر اونچی جگہ پر تکبیر کہنا"۔

⑩ جب کسی گروہ سے خطرہ محسوس ہو تو یوں کہے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ۔[۱۶]

"اے اللہ! ہم تجھے ان کی گردنوں پر مسلط کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ میں آتے ہیں"۔

آنحضرت ﷺ نے اسی طرح فرمایا ہے۔

⑪ سفر میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگے اور دنیا و آخرت کی بھلائی کا سوال کرے' کیونکہ سفر میں دعا قبول ہوتی ہے۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَاشَكَّ فِيهِنَّ : دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ' وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ' وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلَى وَلَدِهِ))[۱۷]

"تین دعائیں قبول ہوتی ہیں' ان (کی قبولیت) میں کوئی شک نہیں: مظلوم کی دعا' مسافر کی دعا' اور اولاد کے لئے باپ کی بددعا"۔

⑫ جب کسی منزل پر اترے تو کہے: اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ "میں اللہ کے مکمل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں اس کی مخلوقات کے شر سے"۔[۱۸]

جب رات شروع ہو تو یوں کہے:

يَا اَرْضُ رَبِّيْ وَرَبُّكِ اللّٰهُ' اِنِّيْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكِ وَشَرِّ مَا فِيْكِ' وَشَرِّ مَا خُلِقَ فِيْكِ' وَشَرِّ مَا يَدِبُّ عَلَيْكِ' وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ اَسَدٍ وَاَسْوَدَ' وَمِنْ حَيَّةٍ وَعَقْرَبٍ' وَمِنْ سَاكِنِ الْبَلَدِ' وَمِنْ وَالِدٍ وَمَا وَلَدَ[۱۹]

"اے زمین! میرا اور تیرا رب اللہ ہی ہے۔ میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں تیرے شر سے' اور جو کچھ تجھ میں ہے اس کے شر سے' اور جو کچھ تیرے اندر پیدا کیا گیا ہے' اور جو کچھ تجھ پر رینگتا ہے اس کے شر سے' میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں شیر اور ناگ

کے شر سے' اور سانپ اور بچھو سے' اور شہر کے رہنے والوں سے' اور جننے والے سے اور جو کچھ اس نے جنا"۔

⑬ جب تنہائی اور وحشت محسوس ہو تو کہے :

سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ' رَبِّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ' جُلِّلَتِ السَّمَاوَاتُ بِالْعِزَّةِ وَالْجَبْرُوْتِ

"پاک ہے بادشاہ قدوس' فرشتوں اور روح الامین کا رب' آسمانوں کو اس کی قوت و جبروت نے ڈھانپ رکھا ہے۔"

⑭ اگر رات کے ابتدائی حصے میں سوئے تو بازو بچھالے' اور اگر رات کے آخری حصے میں سوئے تو بازو کھڑا کر کے ہاتھ پر سر رکھ لے' تاکہ گہری نیند کی وجہ سے بروقت نماز سے نہ رہ جائے۔

⑮ جب شہر پر نظر پڑے تو کہے :

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَّنَا بِهَا قَرَارًا وَارْزُقْنَا فِيْهَا حَلاَلاً' اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الْمَدِيْنَةِ وَخَيْرِ مَا فِيْهَا' وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا

"اے اللہ! ہمارے لئے اس شہر میں ٹھہرنے کی جگہ بنا' اور ہمیں اس میں حلال رزق عطا فرما' اے اللہ! میں تجھ سے اس شہر کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور جو کچھ اس میں ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں' اور اس شہر کی برائی اور جو کچھ اس میں ہے اس کی برائی سے پناہ پکڑتا ہوں"۔

جنابِ نبی کریم ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

⑯ جب سفر سے مقصود ضرورت پوری ہو جائے تو جلدی اپنے وطن گھر والوں کے پاس جانے کے لئے واپسی کا سفر کرے۔ کیونکہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ' يَمْنَعُ اَحَدَكُمْ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ وَنَوْمَهٗ ' فَاِذَا قَضٰى اَحَدُكُمْ نَهْمَتَهٗ —— حَاجَتَهٗ —— مِنْ سَفَرِهٖ فَلْيُعَجِّلْ اِلٰى اَهْلِهٖ)) [۲۰]

"سفر تو عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔ انسان کو کھانے' پینے اور سونے سے روک دیتا ہے۔ اس لئے جب کوئی اپنے سفر سے مقصود حاجت پوری کر لے تو جلد گھر جائے"۔

⑰ جب واپس اپنے شہر پہنچے تو تین بار اللہ اکبر کہے' پھر یوں کہے : آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ

عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ "ہم لوٹنے والے' توبہ کرنے والے' عبادت کرنے والے' اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں"۔ رسول اللہ ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ (۲۱)

⑱ رات کے وقت گھر نہ جائے۔ (۲۲) گھر والوں کو اپنی آمد کی خبر دینے کے لئے پہلے ہی پیغام بھیج دے' اچانک ان کے پاس نہ جا پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی طریقہ تھا۔ (۲۳)

⑲ عورت ایک دن رات کا سفر محرم کے بغیر نہ کرے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا يَحِلُّ لِامْرَاَةٍ تُسَافِرُ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ اِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ عَلَيْهَا)) (۲۴)

"کسی عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ ایک دن رات کا سفر کرے' مگر کسی محرم مرد کے ساتھ کر سکتی ہے"۔

کتاب الآداب

بارھواں باب

لباس کے آداب

ایک مسلمان لباس استعمال کرنا اللہ کا حکم شمار کرتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ﴾ (الاعراف: ۳۱)

"اے بنی آدم! ہر مسجد کے قریب (اس میں داخل ہوتے وقت) اپنی زینت اختیار کرو' اور کھاؤ پیو' لیکن فضول خرچی نہ کرو' بے شک وہ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔"

اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اپنے احسان کے طور پر لباس کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ﴾ (الاعراف: ۲۶)

"اے آدم کے بیٹو! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے جو تمہارے پردے کے اعضاء کو چھپاتا ہے اور زینت کا باعث ہے' اور تقویٰ کا لباس بہتر ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَأْسَكُمْ ﴾ (النحل: ۸۱)

''اس نے تمہارے لئے ایسی پوشاکیں بنائیں جو تمہیں گرمی (اور سردی) سے محفوظ رکھتی ہیں اور ایسی پوشاکیں (زرہیں) بھی جو تمہیں تمہاری لڑائی (کے اثرات سے) محفوظ رکھتی ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَأْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شَاكِرُوْنَ ○ ﴾ (الانبیاء: ۸۰)

''ہم نے اسے (یعنی داؤد علیہ السلام کو) تمہارے لئے لباس بنانا سکھایا تاکہ تمہیں تمہاری لڑائی (کے نقصانات) سے بچائے۔ پھر کیا تم شکر نہیں کرو گے؟''

اور جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لباس استعمال کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

((كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَالْبَسُوْا وَتَصَدَّقُوْا فِيْ غَيْرِ اِسْرَافٍ وَلَا مَخِيْلَةٍ))

''کھاؤ' پیو' پہنو اور صدقہ کرو' لیکن فضول خرچی اور تکبر نہ ہو''۔[1]

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں وضاحت سے بتادیا ہے کہ کون سا لباس جائز ہے اور کون سا ممنوع' اور کون سا لباس استعمال کرنا مستحب ہے اور کون سا مکروہ۔ اس لئے مسلمان کو لباس کے متعلق مندرجہ ذیل آداب پر عمل کرنا چاہئے۔

① ریشم بالکل استعمال نہ کرے' نہ قمیض میں' نہ پگڑی میں' نہ کسی اور لباس میں۔ کیونکہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((وَلَا تَلْبَسُوا الْحَرِيْرَ فَاِنَّهٗ مَنْ لَبِسَهٗ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْاٰخِرَةِ))[2]

''ریشم نہ پہنو' جو اسے دنیا میں پہنے گا' آخرت میں نہیں پہن سکے گا''۔

ایک بار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ میں ریشم پکڑا اور بائیں ہاتھ میں سونا' پھر فرمایا:

((اِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُوْرِ اُمَّتِيْ))[3]

''یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں''۔

نیز ارشاد فرمایا:

((حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِيْرِ وَالذَّهَبِ عَلٰى ذُكُوْرِ اُمَّتِيْ' وَاُحِلَّ لِنِسَاءِ هِمْ))[4]

"ریشم اور سونا پہننا میری امت کے مردوں پر حرام ہے' اور ان کی عورتوں کے لئے حلال ہے"۔

② قمیض' شلوار' شیروانی یا چادر اتنی لمبی نہ ہو کہ ٹخنوں سے نیچے تک جا پہنچے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((مَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْاِزَارِ فِي النَّارِ)) (۵)

"تہہ بند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ جہنم میں (لے) جائے گا"۔

نیز فرمایا:

((اَلْاِسْبَالُ فِي الْاِزَارِ وَالْقَمِيْصِ وَالْعِمَامَةِ ' مَنْ جَرَّ شَيْئًا خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (۶)

"(جائز حد سے زیادہ) لٹکانا تہبند' قمیض اور پگڑی میں ہوتا ہے' جو شخص کسی کپڑے کو تکبر کے طور پر لٹکائے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف (رحمت کی) نظر نہیں فرمائیں گے"۔

نیز فرمایا:

((لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ)) (۷)

"اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر نہیں کرتا جو تکبر سے اپنا کپڑا (زمین پر) گھسیٹ کر چلتا ہے"۔

③ ہر رنگ کے لباس کو جائز سمجھتے ہوئے سفید رنگ کے لباس کو دوسرے لباس پر ترجیح دے' کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اِلْبَسُوا الْبَيَاضَ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَاَطْيَبُ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ)) (۸)

"سفید لباس پہنا کرو' وہ زیادہ پاکیزہ اور اچھا ہے' اور اپنے فوت ہونے والے افراد کو سفید کپڑوں میں کفن دو"۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "جنابِ رسول اللہ ﷺ میانہ قامت تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو سرخ جوڑا پہنے دیکھا' میں نے کبھی اس سے خوب صورت کوئی چیز نہیں دیکھی"۔ (۹) صحیح احادیث میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سبز لباس بھی زیب تن فرمایا ہے (۱۰) اور سیاہ پگڑی بھی باندھی ہے۔ (۱۱)

④ مسلمان عورت کو اپنا لباس اتنا لمبا بنانا چاہئے جس سے قدم چھپ جائیں۔ سر پر

اتنی اوڑھنی استعمال کرے جس سے سر کے علاوہ گردن اور سینہ بھی چھپ جائے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

﴿ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ﴾ (الاحزاب : ۵۹)

"اے نبی! اپنی بیویوں' بیٹیوں اور مؤمنوں کی عورتوں سے فرمادیجئے کہ اپنے اوپر اپنی بڑی چادریں اوڑھ لیا کریں۔"

دوسرے مقام پر فرمایا :

﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ . . . . ﴾ (النور : ۳۱)

"عورتیں اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر اوڑھ لیا کریں' اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لئے یا باپوں کے لئے....."(۱۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں : "اللہ تعالیٰ اوّلین مہاجر خواتین پر رحمت فرمائے' جب یہ آیت نازل ہوئی : ﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ﴾ (وہ اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر اوڑھ لیا کریں) تو انہوں نے اپنے موٹے کپڑے پھاڑ کر ان کے دوپٹے بنا کر اوڑھ لئے"۔(۷) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں : "جب یہ آیت نازل ہوئی : ﴿ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ﴾ (اے نبی! اپنی بیویوں' بیٹیوں اور مؤمنوں کی عورتوں سے فرمادیجئے کہ وہ اپنے اوپر بڑی چادریں اوڑھ لیا کریں) تو انصار کی خواتین جب باہر نکلتی تھیں تو چادریں اوڑھنے کی وجہ سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہیں"۔(۱۳)

⑤ (مسلمان مرد) سونے کی انگوٹھی نہ پہنے۔ کیونکہ سونے اور ریشم کے بارے میں ارشادِ نبویؐ ہے :

((اِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُوْرِ اُمَّتِيْ)) (۱۴)

"یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں"۔

اور فرمایا :

((حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِيْرِ وَالذَّهَبِ عَلٰى ذُكُوْرِ اُمَّتِيْ وَاُحِلَّ لِنِسَاءِ هِمْ)) (۱۵)

"ریشم اور سونا پہننا میری امت کے مَردوں پر حرام ہے اور ان کی عورتوں کے لئے حلال ہے"۔

ایک بار آنحضرت ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ ﷺ نے اس کے ہاتھ سے اتار کر پھینک دی اور فرمایا :

((یَعْمِدُ اَحَدُکُمْ اِلٰی جَمْرَۃٍ مِّنْ نَارٍ فَیَجْعَلُھَا فِیْ یَدِہٖ))

"تم آگ کا انگارہ لے کر اسے ہاتھ میں ڈال لیتے ہو"۔

جب آنحضور ﷺ تشریف لے گئے تو لوگوں نے اسے کہا : "اپنی انگوٹھی اٹھالو' اس سے فائدہ اٹھاؤ"۔ اس نے کہا : "نہیں' قسم ہے اللہ کی! میں کبھی اسے نہیں اٹھاؤں گا جسے رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا ہے"۔ (۱۶)

⑥ مسلمان کے لئے جائز ہے کہ چاندی کی انگوٹھی پہنے' اس پر اپنا نام نقش کروا لے' اس سے خطوں پر مہر لگائے اور کاغذات پر دستخط کی جگہ اسے استعمال کرے' کیونکہ نبی ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی' جس پر "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔ (۱۷) حضور علیہ السلام اسے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہنتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا : "نبی ﷺ کی انگوٹھی اس انگلی میں ہوتی تھی"۔ (۱۸)

⑦ چادر اس طرح نہ اوڑھے کہ اسے پورے جسم پر لپیٹ لے اور ہاتھ نکالنے کے لئے جگہ نہ چھوڑے۔ کیونکہ جناب نبی اکرم ﷺ نے اس انداز سے چادر اوڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (۱۹) اسی طرح ایک پاؤں میں جوتا پہن کر اور ایک پاؤں سے اتار کر نہیں چلنا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے :

((لَا یَمْشِ اَحَدُکُمْ فِیْ نَعْلٍ وَاحِدٍ لِیُحْفِھِمَا اَوْ لِیَنْعِلْھُمَا جَمِیْعًا)) (۲۰)

"تم میں سے کوئی شخص ایک جوتا پہن کر نہ چلے' یا دونوں پاؤں سے جوتا اتار لے یا دونوں میں پہن لے"۔

⑧ مسلمان مَرد کو اس انداز کا لباس نہیں پہننا چاہئے جس طرح کا لباس مسلمان خاتون پہنتی ہے۔ اور مسلمان خاتون کو بھی مسلمان مَرد کی طرح کا لباس نہیں پہننا چاہئے۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ اور فرمایا :

((لَعَنَ اللّٰهُ الْمُخَنَّثِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلاَتِ مِنَ النِّسَاءِ)) (۲۱)
"اللہ کی لعنت ہے عورت بننے والے مَردوں پر' اور مَرد بننے والی عورتوں پر"۔

نیز فرمایا:

((لَعَنَ اللّٰهُ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْاَةِ' وَالْمَرْاَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ' كَمَا لَعَنَ الْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ)) (۲۲)

"اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے اس مَرد پر جو زنانہ لباس پہنتا ہے' اور اس عورت پر جو مَردانہ لباس پہنتی ہے۔ اسی طرح ان مَردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں سے مشابہت اختیار کرتے ہیں' اور ان عورتوں پر جو مَردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہیں"۔ (۲۳)

(۹) جوتا پہنتے وقت پہلے دائیں پاؤں میں پہنے اور اتارتے وقت پہلے بائیں پاؤں سے اتارے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَاْ بِالْيُمْنٰى' وَاِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَاْ بِالشِّمَالِ لِتَكُوْنَ الْيُمْنٰى اَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ)) (۲۴)

"جب تم میں سے کوئی شخص جوتا پہنے تو دائیں پاؤں سے شروع کرے' اور جب اتارے تو بائیں پاؤں سے شروع کرے' دائیں پاؤں میں جوتا پہلے پہنا جائے اور بعد میں اتارا جائے"۔

(۱۰) کپڑا پہنتے وقت دائیں طرف سے شروع کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"جنابِ رسول اللہ ﷺ کو ہر کام میں دائیں جانب اختیار کرنا پسند تھا۔ مثلاً جوتا پہننے میں' کنگھی کرنے میں' پاکیزگی (۲۵) حاصل کرنے میں"۔ (۲۶)

(۱۱) جب نئی قمیض' نیا عمامہ یا کوئی نیا کپڑا پہنے تو کہے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ' اَنْتَ كَسَوْتَنِيْهِ' اَسْاَلُكَ خَيْرَهٗ' وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ' وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ

"اے اللہ! تیرا شکر ہے' تو نے مجھے یہ کپڑا پہنایا' میں تجھ سے اس کی بھلائی مانگتا ہوں' اور جس لئے اسے بنایا گیا ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں' اور اس کی برائی سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اور جس لئے اسے بنایا گیا ہے اس کی برائی سے تیری پناہ میں آتا

ہوں"۔

یہ دعا آنحضرت ﷺ سے منقول ہے۔ (۲۷)

⑫ جب مسلمان بھائی کو نیا کپڑا پہنے دیکھے تو اسے دعا دے اور کہے : اَبْلِ وَ اَخْلِقْ "پرانا کرا اور بوسیدہ کر" (۲۸) حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا نے نیا کپڑا پہنا' انہیں دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے انہیں اس طرح دعا دی۔ (۲۹)

حواشی

گیارھواں باب

(۱) سنن النسائی' کتاب تقصیر الصلاۃ فی السفر' الباب الاول (نحوہ) - وجامع الترمذی' ابواب السفر' باب ما جاء فی کم تقصر الصلاۃ (نحوہ)۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۲) صحیح مسلم' کتاب الطھارۃ' باب التوقیت فی المسح علی الخفین۔ وسنن النسائی۔ وسنن ابن ماجہ ومسند احمد۔

(۳) صحیح البخاری' ابواب تقصیر الصلاۃ' باب صلاۃ التطوع علی الدواب۔ وصحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا' باب جواز صلاۃ النافلۃ علی الدابۃ فی السفر حیث توجھت۔

(۴) صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا' باب جواز الجمع بین الصلاتین فی السفر۔

(۵) سنن النسائی۔ اس کی سند جید ہے۔

(۶) سنن ابی داؤد' کتاب الجھاد' باب الدعاء عند الوداع۔ وجامع الترمذی' کتاب الدعوات' باب ما جاء ما یقول اذا ودع انسانا۔ وسنن ابن ماجہ' کتاب الجھاد' باب تشییع الغزاۃ ووداعھم۔

(۷) سنن ابی داؤد' کتاب الجھاد' باب فی الرجل یسافر وحدہ۔ وسنن النسائی۔ وجامع الترمذی' کتاب الجھاد' باب ما جاء فی کراھیۃ ان یسافر الرجل وحدہ۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۸) صحیح البخاری' کتاب الجھاد' باب السیر وحدہ۔

(۹) سنن ابی داؤد' کتاب الجھاد' باب فی القوم یسافرون یومرون احدھم۔

(۱۰) صحیح البخاری' کتاب التھجد' باب ما جاء فی التطوع مثنی مثنی - و کتاب الدعوات' باب الدعاء عند الاستخارۃ۔

(۱۱) جامع الترمذی' کتاب الدعوات' **دعا کا پہلا حصہ** باب ما یقول اذا خرج من بیتہ۔ **اور آخری حصہ باب ۳۵ میں ہے اور اس میں الفاظ جمع کے صیغہ سے ہیں۔**

(۱۲) سنن ابی داؤد' کتاب الجھاد' باب ما یقول الرجل اذا سافر - **یہ حدیث صحیح ہے۔**

(۱۳) جامع الترمذی' کتاب البیوع' باب ما جاء فی التبکیر بالتجارۃ۔ و سنن ابن ماجہ' کتاب التجارات' باب ما یرجی من البرکۃ فی التبکیر۔

(۱۴) صحیح البخاری' کتاب الجھاد' باب من اراد غزوۃ فورّی بغیرھا و من احب الخروج یوم الخمیس۔

(۱۵) جامع الترمذی' کتاب الدعوات' باب (قبل باب ما یقول اذا رکب الناقۃ) - **سند حسن ہے۔**

(۱۶) سنن ابی داؤد' کتاب الوتر' باب ما یقول الرجل اذا خاف قومًا۔

(۱۷) جامع الترمذی' کتاب الدعوات' "باب ما یقول اذا رکب الناقۃ" **کے بعد والا باب۔ اس کی سند حسن ہے۔** و سنن ابی داؤد' کتاب الوتر' باب الدعاء بظھر الغیب۔

(۱۸) صحیح مسلم' کتاب الذکر و الدعاء' باب الدعوات و التعوذ۔

(۱۹) سنن ابی داؤد' کتاب الجھاد' باب ما یقول الرجل اذا نزل المنزل

(۲۰) صحیح البخاری' کتاب العمرۃ' باب السفر قطعۃ من العذاب۔ و صحیح مسلم' کتاب الامارۃ' باب السفر قطعۃ من العذاب۔

(۲۱) صحیح البخاری' کتاب العمرۃ' باب ما یقول اذا رجع من حج و عمرۃ و من الغزو - و صحیح مسلم' کتاب الحج' باب ما یقول اذا رجع من سفر الحج و غیرہ۔

(۲۲) صحیح البخاری' کتاب النکاح' باب لا یطرق اھلہ لیلا۔

(۲۳) صحیح مسلم' کتاب الامارۃ' باب کراھۃ الطروق لمن ورد من سفر۔

(۲۴) صحیح البخاری' ابواب تقصیر الصلاۃ' باب فی کم یقصر الصلاۃ۔ و صحیح مسلم' کتاب الحج' باب سفر المراۃ مع محرم الی حج او غیرہ۔

بارھواں باب

(۱) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب قول اللّٰہ تعالٰی : **﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ ﴾**

(۲) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب لبس الحریر وافتراشه للرجال وقدر ما یجوز منه (نحوہ)۔ وصحیح مسلم' کتاب اللباس' باب تحریم استعمال الذھب والفضة علی الرجال......الخ۔

(۳) سنن ابی داؤد' کتاب اللباس' باب فی الحریر للنساء۔ اس کی سند حسن ہے۔

(۴) جامع الترمذی' کتاب اللباس' باب ما جاء فی الحریر والذھب للرجال۔

(۵) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب ما اسفل من الکعبین ففی النار۔

(۶) سنن ابی داؤد' کتاب اللباس' باب فی قدر موضع الازار' وسنن ابن ماجه' کتاب اللباس' باب طول القمیص کم ھو؟

(۷) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب قول اللّٰه تعالٰی : ﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ...... ﴾ الایة۔ وصحیح مسلم' کتاب اللباس' باب تحریم جر الثوب خیلاء۔

(۸) سنن النسائی' کتاب الجنائز' باب ای الکفن خیر۔ ومستدرک حاکم۔ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۹) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب الثوب الاحمر۔

(۱۰) سنن النسائی' کتاب الزینة' باب لبس الخضر من الثیاب۔

(۱۱) سنن النسائی' کتاب الزینة' باب لبس العمائم السود۔

(۱۲) صحیح البخاری' کتاب التفسیر' باب قوله: ﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ﴾

(۱۳) سنن ابی داؤد' کتاب اللباس' باب فی قوله تعالٰی ﴿ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ﴾

(۱۴) حوالہ پیچھے گزرا۔

(۱۵) حوالہ پیچھے گزرا۔

(۱۶) صحیح مسلم' کتاب اللباس والزینة' باب تحریم خاتم الذھب علی الرجال۔

(۱۷) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب نقش الخاتم۔

(۱۸) صحیح مسلم' کتاب اللباس والزینة' باب تحریم خاتم الذھب علی الرجال۔

(۱۹) سنن ابی داؤد' کتاب اللباس' باب فی لبسة الصماء۔

(۲۰) صحیح مسلم' کتاب اللباس والزینة' باب استحباب لبس النعال فی الیمنی اولاً والخلع من الیسری اولاً وکراھة المشی فی نعل واحدة۔

(۲۱) صحیح البخاری' کتاب اللباس والزینة' باب اخراج المتشبھین بالنساء من البیوت۔

(۲۲) سنن ابی داؤد' کتاب اللباس' باب فی لباس النساء۔

(۲۳) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب المتشبهین بالنساء والمتشبهات بالرجال۔

(۲۴) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب ینزع النعل الیسری۔ وصحیح مسلم' کتاب اللباس والزینة' باب استحباب لبس النعال فی الیمنی اولا —— الخ (صرف پہلا حصہ)

(۲۵) یعنی وضو اور غسل وغیرہ۔

(۲۶) صحیح مسلم' باب النهی عن الاستنجاء بالیمین

(۲۷) سنن ابی داؤد' کتاب اللباس' باب ا۔ وجامع الترمذی' ابواب اللباس' باب ما یقول اذا لبس ثوبا جدیدا۔ امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔

(۲۸) یعنی اللہ تجھے لمبی عمر عطا فرمائے اور یہ نیا کپڑا پہن پہن کر پرانا ہو جائے۔ حضرت امّ خالد رضی اللہ عنہا اس وقت کم سن تھیں۔

(۲۹) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب الخمیصة السوداء۔

بقیہ: تحریکِ نسواں یا تحریکِ نازن

عبرتناک سزائے موت کا تواتر سے مطالبہ کیا۔ پاکستان میں خواتین کے حقوق کی علمبردار اسمبلیوں اور ملازمتوں میں خواتین کی نصف نمائندگی کا مطالبہ بھی کر رہی ہیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ پاکستانی معاشرہ تو ایک طرف' یورپی معاشرہ اپنی روشن خیالی کے باوجود اس تناسب کو ابھی تک حاصل نہیں کر سکا۔

پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے۔ یہاں مَرد وزن کے حقوق کا تعین اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کیا جانا چاہئے۔ اسلام نے مَرد وزن کے حقوق وفرائض کے بارے میں بے حد متوازن نظام عطا کیا ہے۔ مغرب کے سیکولر' لادین' مذہب بیزار' فحش انگیز' غیر متوازن اور ہیجان انگیز نظام کا اتباع بحیثیت قوم ہماری تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ مغرب جن خاندانی اقدار کی بحالی کی ضرورت محسوس کر رہا ہے' ہم ان اقدار کی تباہی کا سامان کر رہے ہیں۔ یہ ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ ہے!!

قوموں کے عروج وزوال کا
اسلامی اصول

تحریر: انجینئر کرم الٰہی انصاری

آج کل امریکہ اور مغربی اقوام کے متعلق دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ واویلا کر رہے ہیں کہ وہ پوری دنیا میں بے انصافی اور فساد کو فروغ دے رہے ہیں' انہوں نے ساری دنیا کو سود کے چنگل میں کس دیا ہے' فیملی پلاننگ یعنی خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعے نسل انسانی کی بربادی وتباہی کر رہے ہیں۔ اور اس سے وہ خود چونکہ بہت زیادہ متاثر ہو چکے ہیں اور ان کی آبادیاں نہ صرف گھٹتی جا رہی ہیں بلکہ ان میں نوجوانوں کی تعداد روز بروز کم اور بوڑھوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہو رہی ہے' لہٰذا خود تو اس سلسلے میں انہوں نے اب الٹی جانب سفر شروع کر دیا ہے' یعنی اپنے ہاں تو انہوں نے زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرنے اور بکھری ہوئی خاندانی زندگی کو پھر سے سمیٹنے کا کام شروع کر دیا ہے اور اس سلسلے میں وہ اپنی آبادیوں کو طرح طرح کی مالی اور دوسری ترغیبات دے رہے ہیں' لیکن دنیا بھر کی پسماندہ اور ترقی پذیر قوموں کو وہ این جی اوز اور دوسرے ذرائع جن میں قرضوں کو فیملی پلاننگ پروگرام سے مشروط کرنا شامل ہے' اپنی نسل کشی پر مجبور کر رہے ہیں۔ فحاشی اور بے حیائی کو انہوں نے ایک انڈسٹری کی شکل دے دی ہے اور اسے ساری دنیا کو ایکسپورٹ کر رہے ہیں۔ دنیا بھر کے علاقائی جھگڑوں میں وہ ظالم کی مدد اور مظلوم کی ٹھکائی کرنے کے لئے بڑی بے تابی سے کود پڑتے ہیں۔

دنیا بھر کی تجارت پر انہوں نے زبردستی قبضہ کر رکھا ہے۔ سمندروں میں ان کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا ملک اپنا جہاز نہیں چلا سکتا اور ان کے قزاق بحری بیڑے ہمہ

وقت سمندروں میں گشت کرتے رہتے ہیں اور جس جہاز کی چاہیں تلاشی لیں، جس کو چاہیں بخش دیں اور جس کو چاہیں جکڑ لیں۔ ان کے ایٹم بم بردار میزائل دنیا میں ہر نقطہ کو نشانہ بنانے کی اہلیت لئے ہمہ وقت الرٹ ہیں اور خشکی اور تری کی طرح فضا میں بھی ان کی پکڑ سے بچنے کا کوئی ملک دعویٰ نہیں کرسکتا۔ ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO) کے ذریعے انہوں نے نہ صرف ساری دنیا کی تجارت بلکہ زراعت اور صنعت کو بھی اپنے شکنجہ میں جکڑ لیا ہے۔ WTO کی وجہ سے تمام ممالک صرف ان کی کمپنیوں کے پروسیس (process) کئے ہوئے زرعی اجناس کے بیج لینے پر مجبور ہیں۔ یہ بیج ایسے ہیں کہ فصل کی پیداوار اس سے دوگنی ہو جاتی ہے لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ کاشت کردہ فصل سے اگلی فصل کے لئے بیج حاصل نہیں کیا جاسکتا جب تک اسے پروسیس نہ کیا جائے، اور WTO کی وجہ سے پروسینگ صرف ان کی کمپنیاں ہی کرسکتی ہیں۔ یوں وہ جب چاہیں بیج کی سپلائی روک کر دنیا بھر میں غذائی بحران پیدا کرسکتی ہیں۔ تباہ کن کیمیائی اور جراثیمی ہتھیاروں کی وجہ سے انہوں نے پوری نوعِ انسانی کی زندگی ایک طرح سے اپنے ہاتھوں میں لے رکھی ہے۔ الغرض قرآنِ کریم کی زبان میں ﴿وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ﴾ کے مصداق ''الحرث'' (کھیتی باڑی) اور ''النسل'' (نوعِ انسانی) کی بربادی کا بٹن بزعمِ خود انہوں نے اپنے کنٹرول میں لے لیا ہے۔ پوری دنیا پر ان کی دھونس اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ جب واشنگٹن کا کوئی تیسرے درجہ کا افسر کسی ترقی پذیر ملک کا دورہ کرتا ہے تو مذکورہ ملک کے صدر اور وزیر اعظم ان کے استقبال کے لئے ایئرپورٹس پر حاضر ہوتے ہیں۔ لیکن جب مذکورہ پس ماندہ اور ترقی پذیر ممالک کے وزراءِ عظمیٰ اور صدور امریکہ اور یورپ کا دورہ کرتے ہیں تو ان کے استقبال کے لئے ان کی وزارتِ خارجہ کا کوئی جونیئر افسر یا پھر کسی بلدیہ کا چیف ایئرپورٹ پر آتا ہے۔

لیکن دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بجلی جس سے ہمارے گھر، بازار اور دفتر روشن اور فیکٹریاں اور کارخانے چالو ہیں وہ جن بجلی گھروں سے آرہی ہے وہ یا تو انہی کے بنائے ہوئے ہیں یا پھر ان کی پوری مشینری انہی کے ملکوں سے آئی ہے۔ پانی جو ہم

گھروں میں پیتے ہیں وہ جن ٹیوب ویلوں سے زمین کی گہرائی سے اٹھایا جاتا ہے ان کی تقریباً ساری موٹریں اور پینلز ان ہی ملکوں کی ملٹی نیشنل کمپنیاں بناتی ہیں۔ وہ نہری نظام جن سے ہماری زرعی زمینیں سیراب ہوتی ہیں انہی کا بنایا ہوا ہے۔ سارے کے سارے بیراج جو تقریباً ایک صدی پہلے بنائے گئے تھے' انہوں نے ہی بنائے تھے اور آزادی کے بعد بھی جو اضافے ہم نے ان بیراجوں میں کئے' نئی نہریں کھودیں' نئے ڈیمز بنائے سب کے سب انہی کے ڈیزائن اور تعمیر کردہ ہیں۔ اور حد تو یہ ہے کہ ہم اس سارے نظام کی دیکھ بھال بھی نہیں کر سکے اور اب یہ نہری نظام تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے اور اس کی بحالی کے لئے اب پھر ہمیں وہ قرضہ مہیا کر رہے ہیں اور ہمیں سمجھ نہیں آ رہی کہ ہم اس تقریباً تباہ شدہ نظام کی بحالی کا کام کہاں سے شروع کریں۔ زراعت کے شعبہ میں جو انقلاب رونما ہوا ہے اور جس کی بدولت ہم فی ایکڑ اسی (۸۰) من تک پیداوار لے رہے ہیں اور سال میں دو دو فصلیں ایک ہی جنس کی لے رہے ہیں' مثلاً فارمی کیلے' فارمی خربوزے' فارمی تربوز وغیرہ' ان سب کے موجد وہی ہیں' کیونکہ اس مقصد کے لئے جو بیج استعمال ہوتے ہیں ان کے ہی پروسیس کئے ہوئے ہیں۔ جو کھاد ان کی افزائش کو بڑھاتی ہے وہ یا تو ان کے ملکوں سے سیدھی امپورٹ کی جاتی ہے یا پھر جس مشینری اور جس کیمیکل طریقے سے وہ بنائی جاتی ہیں وہ ان ہی کی بنائی اور وضع کی ہوئی ہیں۔ جو کیڑے مار ادویات فصلوں کی پیداوار کو تباہ ہونے سے مؤثر طریقے سے بچاتی ہیں وہ بھی ان ہی کی کمپنیاں بناتی ہیں۔ یقیناً گٹھلی اور دانے کو پھاڑنے اور بیج کو پودا بنانے والا اور اس میں پھل ڈالنے والا اللہ ہی ہے اور وہ علم جس کی بنیاد پر انہوں نے مذکورہ بالا ٹیکنالوجی ایجاد کی ہے وہ بھی اللہ ہی کا ہے۔ لیکن اس علم کو حاصل کرنے کے لئے جو مغز ماری یا جدوجہد اور جدید الفاظ میں جو ریسرچ کی گئی ہے وہ ہم نے نہیں انہوں نے کی ہے۔

الغرض اگرچہ کھیت ہمارے ہیں لیکن ان سے جو پہلے سے کئی گنا زیادہ پیداوار ہم حاصل کر رہے ہیں اس کا کریڈٹ ان کو ہی جاتا ہے۔ سڑکوں پر جو کاریں' بسیں' ٹرک' ٹرالے اور ریل کی پٹڑی پر جو ریل گاڑیاں اور انجن چلتے ہیں اور فضا میں جو ہوائی جہاز

اور ہیلی کاپٹرز اڑتے نظر آتے ہیں ان کے موجد اور مینوفیکچرر ابھی تک وہی ہیں۔ مزید یہ کہ سڑکوں اور ریلوں کے جونیٹ ورکس جن پر مذکورہ گاڑیاں چلتی ہیں اور وہ ایئر پورٹس جن سے مذکورہ ہوائی جہاز اڑتے اور کنٹرول ہوتے ہیں' سب کے سب صدیوں قبل ان ہی نے بنائے تھے۔ آج اگرچہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ سڑکیں' ریلیں اور دیگر تعمیرات میں ہم خودکفیل ہو چکے ہیں' لیکن غیر جانبدارانہ جائزہ لیں تو صرف ان میں استعمال ہونے والی مین پاور ہی ہماری ہے۔ وہ جدید کنسٹرکشن مشینری جن سے سالوں کا کام دنوں میں آج ممکن ہو گیا ہے' سب ان ہی کے ملکوں سے امپورٹ کرنے پر ہم مجبور ہیں۔ ٹیلی مواصلات میں استعمال ہونے والی تمام تر جدید مشینری اور پرزہ جات انہوں نے ایجاد کیے اور وہی بناتے ہیں۔ آئی ٹی (IT) کے جدید اور حالیہ انقلاب کے موجد بھی وہی ہیں۔ وائرلیس سسٹمز' ٹیلی فون ایکسچینجز' فیکس' ٹیلکس' سیٹلائٹ فونز اور ان کے تمام پرزہ جات ان ہی کے ملکوں سے آتے ہیں۔ واٹر سپلائی اور نکاسیٔ آب یا سیوریج سسٹمز میں استعمال ہونے والے فلٹریشن اور ٹریٹمنٹ پلانٹ بھی وہیں سے آتے ہیں۔

نظامِ صحت کا جائزہ لیں تو یہ تلخ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ علاج کا طریقہ ایلو پیتھک ہو یا ہومیو پیتھک' کوئی ایک دوائی یا فارمیسی کی زبان میں کوئی ایک بھی مالیکیول ہماری ریسرچ کا نتیجہ نہیں۔ اس بارے میں ہم سو فیصد ان کے دست نگر ہیں۔ ہسپتالوں کی جدید ترین مشینری مثلاً ایکس ریز پلانٹس' الٹراساؤنڈ' ای سی جی' سی ٹی سکین اور آنکھ کے آپریشن میں استعمال ہونے والے لینز اور فیکو مشینیں سب کی سب انہی کی ایجاد کردہ اور تیار کردہ ہیں۔

نظامِ تعلیم کا جائزہ لیں تو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یقیناً پرائمری اور سیکنڈری تعلیم میں کسی حد تک ہم خودکفیل ہیں' لیکن صدیوں قبل ان سکولوں کالجوں کے جال انہوں نے ہی بچھائے تھے۔ ہائر ایجوکیشن میں استعمال ہونے والا تمام میٹریل اور سوشل سائنسز اور ہائی ٹیکنالوجی پر مشتمل کتب ان ہی کے ہاں سے درآمد کی جاتی ہیں۔ زراعت پر مبنی یعنی ایگرو انڈسٹری مثلاً ٹیکسٹائل مشینری' شوگر پلانٹس حتیٰ کہ ہمارے دفاعی نظام میں استعمال

ہونے والا تقریباً سو فیصد آرسنل ابھی ماضی قریب تک انہی ممالک سے ہم خریدنے پر مجبور تھے اور بہت حد تک اب بھی ہیں۔ عدلیہ کے موجودہ نظام کو مستحکم بنیادیں فراہم کرنے والے وہی تھے۔ ہم نے اسے مزید مضبوط کرنے کی بجائے اِنہدام کی حد تک پہنچادیا ہے۔ ایک لمحہ کے لئے غیر جانبدارانہ ذہن سے سوچئے کہ سوائے بے انصافی' فساد اور بدعنوانی کے وہ کون سا شعبہ ہے جس میں ہم خود کفیل ہیں؟ تقریباً یہی حال دنیا کے باقی پس ماندہ اور ترقی پذیر ممالک کا ہے۔

الغرض دنیا بھر کے لوگوں کے فائدے کی چیزوں کی ایک ختم نہ ہونے والی فہرست ہے جو جابر امریکہ اور اس کے یورپی اور مشرق بعید کے حواری ممالک بنا رہے ہیں۔ اور جب ہم ان کے اس کارِ خیر کی عمر کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ کم وبیش چار صدیوں پر محیط ہے اور اس کی ابتدا پندرھویں اور سولہویں صدی میں یورپ میں برپا ہونے اور پھر جاری رہنے والے صنعتی انقلاب سے ہوتی ہے۔ اسی صنعتی انقلاب کی بدولت انہوں نے دنیا بھر سے عوام کا خون چوسنے والے راجوں' مہاراجوں اور بادشاہوں کو رخصت کیا اور دنیا بھر کو قانون و انصاف پر مبنی آئینی حکومتیں دیں۔ حتیٰ کہ آج بھی دنیا بھر کی حکومتیں جن سیاسی ایکٹس' کوڈز اور آئینوں پر استوار ہیں انہی کے بنائے ہوئے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ ابھی تک ان پر نظرثانی کر کے ان کو موجودہ حالات کے مطابق بھی نہیں ڈھالا گیا۔ کراؤن (تاجِ برطانیہ) سے وفاداری' وائسرائے اور پریوی کونسل قسم کے الفاظ ابھی تک ان کوڈز اور ایکٹس میں جوں کے توں موجود ہیں۔

تیسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے تیزی سے بڑھتے ہوئے فساد کے خلاف دنیا بھر میں نہ صرف ان کے خلاف نفرت بے حد بڑھ گئی ہے بلکہ جگہ جگہ ان کے جبر کے خلاف اعلانیہ مسلح جدوجہد روز بروز بڑھ رہی ہے اور جس طاقت سے وہ اس مزاحمت کو اپنے تئیں کچلتے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ طاقت سے مزاحمت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ حتیٰ کہ ایک گروہ خود امریکہ کے اندر جا کر ان کے منہ پر طمانچہ مار کر ان کا تکبر خاک میں ملا آیا ہے۔ اور اس کارروائی پر ان کا ردّعمل پاگل پن کی حد تک پہنچ چکا ہے۔ گویا ان

کے زوال کا آغاز ہو چکا ہے۔

اب اگر ہم مندرجہ ذیل اور اسی مضمون (یعنی فساد اور خیر) پر مبنی قرآنی آیات پر غور کریں اور اوپر بیان کردہ حقائق کے تناظر میں دیکھیں تو یہ آیات مذکورہ بالا حقائق کی تفسیر کرتی ہیں:

﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴾ (البقرۃ:۲۰۵)

''اور اللہ فساد کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔''

یعنی اللہ فساد یا دیگر الفاظ میں بگاڑ کو پسند نہیں کرتا تو ظاہر ہے اللہ اصلاح یا بناؤ یعنی لوگوں کے فائدے کو پسند کرتا ہے اور اس میں مسلم یا غیر مسلم ہونے کی کوئی قید نہیں۔

﴿.....وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ﴾ (الرعد:۱۷)

''.....اور رہا اس کا ذکر جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے تو وہ یہ۔ہے کہ وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے۔''

یعنی جو چیزیں' اَفعال یا اَقوام' لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہیں وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہیں یا جڑ پکڑتی یا فروغ پاتی ہیں۔

مذکورہ بالا قرآنی آیات سے اَقوامِ عالم کے عروج و زوال کا جو اصول وضع ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی خلق کی بھلائی کے کام یعنی ''بناؤ'' پسند ہے چاہے وہ مسلمانوں کے ہاتھوں انجام پائے چاہے غیر مسلموں کے ہاتھوں۔ ''بگاڑ'' یعنی فساد کو وہ ہرگز پسند نہیں کرتا چاہے اسے برپا کرنے والے غیر مسلم ہوں یا نام نہاد مسلمان۔

عالمی تاریخ کا اگر ہم بغور مطالعہ کریں تو آج تک کی معلوم تاریخ میں مذکورہ بالا اصول ہی کارفرما نظر آتا ہے۔ رومن ایمپائر' سلطنت فارس اور مسلمانوں کا آدھی سے زیادہ دنیا پر تقریباً ایک ہزار سال تک محیط غلبہ کی تاریخ اس اصول پر سمجھی جا سکتی ہے۔ ان اقوام کے دیرپا عروج کے بعد زوال کو ان کے ''بناؤ'' اور ''بگاڑ'' سے ہی منسلک کیا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف انسانی کھوپڑیوں کے مینار بنانے والے منگولوں' ایٹلا دی ہن اور حالیہ تباہی کا شکار ہونے والے روسیوں کے اکاؤنٹ میں چونکہ صرف فساد ہی فساد تھا

اصلاح یا ''بناؤ'' بہت ہی کم یا نہ ہونے کے برابر تھا لہٰذا یہ زمین میں جڑ پکڑ ہی نہ پائے۔
جس طوفان کی طرح وہ آئے اُسی بلکہ اُس سے دوگنی رفتار سے وہ واپس چلے گئے۔

اس سے بھی قدیم تاریخ جس کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے میں بھی یہی درج ہے کہ جب بھی کسی قوم نے انسانی فلاح (جس کو اہم تعمیرات، جس کے کھنڈر اب بھی موجود ہیں، سے ناپا جا سکتا ہے) کے کام انجام دیئے تو وہ عروج پر عروج حاصل کرتی چلی گئی، حتیٰ کہ ایک نقطہ پر جا کر اُن کا دماغ خراب ہونا شروع ہوا اور اُن میں تکبر آ گیا تو انہوں نے زمین میں فساد یعنی بگاڑ پھیلانا شروع کر دیا اور پھر جب ان کا فساد یعنی بگاڑ ان کی اصلاح یعنی بناؤ سے بڑھ گیا تو حاکم حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا اور وہ دنیا میں اپنی تمام تر ترقی و طاقت کے باوجود عبرت کا سامان بن گئیں:

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۞ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۞ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۞ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۞ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۞ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۞ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۞ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۞ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۞﴾ (الفجر: ٦ تا ١٤)

''کیا تو نے نہیں دیکھا (مخاطب نبی اکرم ﷺ ہیں) کہ تیرے رب نے قومِ عاد کے ساتھ کیسا سلوک کیا (یعنی اُن کی تمام تر ترقی و شہ زوری کے باوجود ان کو تباہ و برباد کر دیا)۔ یعنی وہ عاد جو ارم (حضرت نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے جن کی نسل سے قوم عاد تھی) سے تھی اور وہ (اونچے اونچے) ٹاورز یا پلازے بناتے تھے۔ ایسی بلند عمارتیں (یا پلازے) دنیا بھر کے شہروں میں نہیں بنائی گئیں۔ اور قومِ ثمود (کے ساتھ بھی کیسا سلوک کیا) جو وادیوں میں چٹانوں کو تراشتے تھے (قومِ ثمود چٹانوں کو تراش کر اُن میں گھر بناتے تھے۔) اور فرعونیوں (فرعون قدیم مصر کے بادشاہوں کا خاندان تھا جو مصر پر تین سو سال تک حکمران رہا) پہاڑوں (یعنی اہراموں) والوں کے ساتھ بھی (کیسا سلوک کیا)۔ (ان سب قوموں نے) جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی۔ پس ان میں فساد کی کثرت کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ بے شک تیرا رب گھات میں ہے (یعنی دنیا کے تمام معاملات پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہے)''۔

مذکور بالا قدیم قومیں جن کا اوپر کی آیات میں ذکر کیا گیا ہے ایک لمبا عرصہ دنیا میں رہیں' کیونکہ جب اصلاح کے کاموں کے بعد ان قوموں نے فساد برپا کیا تو ان کی طرف جو انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے ان کی عمریں چار سو سال سے لے کر اڑھائی تین سو سال تک تھیں' یعنی اتنا لمبا عرصہ تو مذکورہ انبیاء علیہم السلام اُن کو سمجھاتے رہے کہ راہِ راست پر آ جاؤ لیکن وہ نہ آئے۔

اب مذکورہ بالا آیات کے تناظر میں جب ہم اس مضمون کے پہلے حصے میں بیان کردہ خیر و شر کا جائزہ لیتے ہیں تو امریکہ اور اس کے حواری مغربی اقوام کا خیر ابھی تک ان کے شر پر کافی بھاری نظر آتا ہے کیونکہ اُن کے خیر کی مقدار بہت زیادہ اور عمر بہت لمبی یعنی تقریباً چار صدیاں ہیں' جبکہ ان کے شَر کی عمر تقریباً چالیس سال ہے اور یہ ۱۹۶۰ء میں ورلڈ بینک کے قیام سے شروع ہوئی ہے۔ لیکن پچھلے دس بارہ سالوں سے ان کا شَر جس رفتار سے بڑھ رہا ہے اگر وہ اُسی رفتار سے بڑھتا گیا تو وہ دن دور نہیں جب اُن کے ''شر'' کا وزن اُن کے ''خیر'' کے وزن سے بڑھ جائے گا۔ اس ''خیر و شر'' کا اصل وزن اللہ ہی کر سکتا ہے اور وہ گھات لگائے بیٹھا ہے۔ یعنی اُس کی اس خیر و شر پر کڑی نظر ہے۔ اگر مذکورہ اقوام نے اپنے حالیہ نقصانات (جس میں اُن کی تیزی سے گرتی ہوئی معیشتیں شامل ہیں) سے کوئی سبق نہ سیکھا اور اپنے بگاڑ کے عمل کو تیز سے تیز تر کرتی چلی گئیں (جس کی قوی اُمید ہے) تو مذکورہ بالا اصولوں کی بنیاد پر یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اُن کا انجام بَد بس قریب کی بات ہے اور وہ اپنی تمام تر ترقی سمیت غرق ہو جائیں گے۔ آخر دنیا پہلے بھی سرسوں کے تیل کے دِیوں' لکڑیوں اور گوبر پر چلنے والے چولہوں اور حکیموں کی پڑیوں پر چلتی رہی ہے!

ضرورت رشتہ

رفیق تنظیم اسلامی کی M.C.S (کمپیوٹر سائنس) کنواری بیٹی' عمر ۲۴ سال' کے لئے دینی گھرانے سے برسر روزگار نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ:۔ مدیر مکتبہ' قرآن اکیڈمی' ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

دنیائے اسلام : ایک نیا سلسلہ مضامین

آذربائیجان

تحقیق و تحریر: سید قاسم محمود

جب کوئی آفت اور مصیبت آن پڑتی ہے تو ہمیں اتحاد اور بھائی چارا یاد آتا ہے۔ عراق پر حالیہ امریکی جارحیت کے وقت کرۂ ارض پر آباد ہر مسلمان کا خون بے بسی سے کھول رہا تھا۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان سے پوچھتا تھا کہ مسلمانانِ عالم میں اتحاد کیوں نہیں ہے؟ اسلامی سربراہی کانفرنس کی تنظیم کہاں ہے؟ عرب لیگ کہاں ہے؟ مؤتمر عالم اسلامی کہاں ہے؟ رابطۂ عالم الاسلام کہاں ہے؟ سب ایسا سوچتے تھے لیکن کوئی اس امر پر غور نہیں کرتا تھا کہ مسلمانوں میں اتحاد کیوں نہیں ہے؟ اسلامی ملکوں کی کیا مجبوریاں اور کیا کمزوریاں ہیں؟ خواہش کے باوجود اتحاد کی طرف' آگے بڑھنے کی طرف قدم کیوں نہیں اٹھتا؟

ایسے ہی سوالوں کے جوابات حاصل کرنے کے مقصد کے تحت ''میثاق'' کے موجودہ شمارے سے ایک نیا قسط وار سلسلہ ''دنیائے اسلام'' کے عنوان سے شروع کیا جا رہا ہے۔ اسلامی سربراہ کانفرنس کی تنظیم (او آئی سی) کے رکن ممالک کی ایک فہرست ابجدی ترتیب کے مطابق بنا لی گئی ہے۔ اسی ترتیب کے مطابق ایک اسلامی ملک کے حالات و کوائف پر بھرپور معلوماتی و اصلاحی مضمون ''میثاق'' میں ہر ماہ شائع ہوتا رہے گا۔

اس سلسلۂ مضامین کی تحقیق و تصنیف کی ذمہ داری پاکستان کے ممتاز ادیب و مدیر سید قاسم محمود صاحب نے قبول کر لی ہے۔ وہ ''سیارہ ڈائجسٹ'' کے بانی مدیر' شاہکار جریدی کتب کے مؤسس اور اردو کے دس جلدی' موضوع وار انسائیکلوپیڈیاؤں کے بانی' مصنف اور محقق ہیں۔ ''ندائے خلافت'' میں تجدید و احیائے اسلام کی تحریکوں کی تاریخ لکھ رہے ہیں۔

قارئین محترم سے گزارش ہے کہ وہ اس نئے سلسلے کو کامیاب بنانے کے لئے نہ صرف اس کے تحت شائع ہونے والے مضامین کا بغور مطالعہ کر کے' اپنے مستقل ریکارڈ میں رکھنے کا بندوبست کریں' بلکہ اس کے مصنف و محقق سید قاسم محمود صاحب کو اپنے مشوروں اور تجاویز سے نوازتے رہیں۔

☆☆☆

آذربائیجان: ایک نظر میں

صدر: حیدر علی یوف (۱۹۹۳ء)
وزیراعظم: رضی زادہ آرتر (۱۹۹۶ء)
رقبہ: ۳۳ ہزار ۴۳۶ مربع میل (۸۶ ہزار ۶۰۰ مربع کلومیٹر)
آبادی: ۸۷ لاکھ تقریباً
شرح افزائش: ۰.۹ فی صد
شرح پیدائش: ۱۹ (فی ہزار)
شرح اموات اطفال: ۸۳ (فی ہزار)
گنجانئ آبادی: ۲۳۳ فی مربع میل
دارالحکومت: باکو (آبادی ۱۸ لاکھ)
بڑے شہر: گنجہ (۳ لاکھ)، سمگیٹ (اڑھائی لاکھ)
سکہ: منات (تقریباً ۵ ڈالر کے برابر)
زبانیں: آذری ۸۲ فیصد، روسی ۷ فیصد، آرمنی ۲ فیصد
نسلیں: آذری ۹۰ فیصد، داغستانی ۳ فیصد، روسی ۳ فیصد
مذہب: مسلمان ۸۷ فیصد، زیادہ تر شیعہ، عیسائی ۸ فیصد اور دیگر
شرح خواندگی: ۹۷ فیصد
کل قومی پیداوار: ۲۳.۵ ارب ڈالر سالانہ
فی کس آمدنی: تین ہزار ڈالر سالانہ
شرح افزائش: ۱.۴ فی صد سالانہ
شرح افراطِ زر: ۱.۸ فی صد
قابل کاشت رقبہ: ۱۸ فیصد
زراعت: کپاس، گندم، چاول، پھل، سبزیاں، چائے، تمباکو، مویشی، بھیڑ بکریاں
اہلِ محنت: کل ۳۰ لاکھ۔ زراعت و جنگلات میں ۳۲ فیصد، صنعت اور تعمیرات میں ۱۵ فیصد، خدمات میں ۵۳ فیصد
صنعت و حرفت: پٹرولیم اور مصنوعات، قدرتی گیس، فولاد، کچا لوہا، سیمنٹ، کیمیاوی اشیاء، پارچہ بافی۔
قدرتی وسائل: پٹرولیم، قدرتی گیس، کچا لوہا، ایلومینیم
برآمدات: ۱۱.۹ ارب ڈالر (۲۰۰۱ء) تیل اور گیس ۷۵ فیصد، مشینری اور پرزہ جات، کپاس، غذائی اجناس۔
درآمدات: ۱.۴ ارب ڈالر (۲۰۰۱ء)۔ مشینری اور پرزہ جات، کیمیاوی اشیاء، دھاتیں۔
تجارتی ساتھی: ترکی، اٹلی، روس، جارجیا، ایران، یوکرائن، متحدہ عرب امارات
بڑا مسئلہ: ملک کے وسط میں نگورو قراباخ میں عیسائیوں کی تحریک آزادی

آذر بائیجان ایک نہیں، دو ہیں۔ ایک ایران کا صوبہ ہے، دوسرا آزاد اور خود مختار ملک ہے۔ اس مضمون کا تعلق ملک آذر بائیجان سے ہے جو اقوامِ متحدہ اور اسلامی سربراہ کانفرنس (او آئی سی) کا رکن ہے۔

آذر بائیجان بارہ برس پہلے اگست ۱۹۹۱ء تک یونین آف سوشلسٹ ری پبلکس (یو ایس ایس آر) پر مشتمل پندرہ جمہوریاؤں میں سے ایک تھا۔ اس کے شمال میں روس، مغرب میں جارجیا اور آرمینیا اور جنوب میں ایران واقع ہے۔ بحیرۂ کیسپین اس کے مشرق میں واقع ہے۔ آرمینیا کی ایک لمبی پٹی آذر بائیجان کے اندر جنوب میں اس بے دردی سے گھستی چلی گئی ہے کہ آذر بائیجان کی مسلم آبادی دو حصوں میں بٹ کر رہ گئی ہے، کیونکہ اس پٹی میں زیادہ تر عیسائی آباد ہیں۔

تاریخی پس منظر

آذر بایجان (ایرانی صوبے) اور آذر بائیجان (ملک) دونوں کا جغرافیہ روس کی ہوس ملک گیری کے سبب مختلف ہے، لیکن دونوں کے باشندوں کی تاریخ، تہذیب اور معاشرت مشترک ہے۔ یہ علاقہ جنرل آثرپاتی (Atropates) کے نام پر موسوم ہے جس نے سکندر اعظم کے حملے کے وقت (۳۲۸ قبل مسیح میں) اپنی آزادی کا اعلان کر کے اپنی مملکت بچالی تھی۔ آثرپاتی دراصل پارسی مذہب کا عہدہ بھی تھا اور اس شخص کا ذاتی نام بھی۔ سکندر اعظم نے اس شخص کی لیاقت دیکھ کر شہر ''بان'' اسے بخش دیا جو بعد میں اس کے نام پر ''آثرپاتی'' سے ہوتا ہوا آذر باذگان، پھر آذر بایگان اور اب آذر بائیجان کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں کا شہر ارومیہ (جدید رضائیہ) زردشت کی جائے پیدائش ہے، اور اسی وجہ سے ظہور عیسائیت سے پہلے پورا خطہ مجوسیت کی گرفت میں تھا۔

جنرل آثرپاتی کے خاندان نے ایرانی اشکانیوں کے عہد میں عروج حاصل کیا اور اس کے افراد نے شاہی خاندان میں شادیاں کیں۔ اس خاندان کے آخری رکن نے ۳۸ عیسوی میں روما میں وفات پائی۔ اس وقت تک ایران کے اشکانی حکمران اس

خاندان کی مملکت کو اپنی سلطنت میں شامل کر چکے تھے۔ ساسانیوں کے عہد میں آذربائیجان کا حاکم ایک مرزبان ہوا کرتا تھا۔ ساسانی عہد کے اواخر میں یہ علاقہ ہرمزد کے خاندان کے قبضے میں تھا۔ آذربائیجان کا صدر مقام شیز تھا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں جھیل اُرمیہ کے جنوب مشرق میں اب شہر لیلان کے کھنڈر موجود ہیں' جہاں ایک بڑا آتش کدہ تھا' جس کی زیارت کے لئے ساسانی بادشاہ تخت نشینی کے وقت آیا کرتے تھے۔

ورودِ اسلام

مسلمانوں کی فتح آذربائیجان کا حال ۱۸ تا ۲۲ ہجری/۶۳۹ء تا ۶۴۳ء میں تواریخ میں تفصیل سے درج ہے۔ حضرت عمر فاروق ؓ کے عہد میں حذیفہ بن الیمان ؓ نے نہاوند سے چل کر آذربائیجان کا پورا علاقہ فتح کیا تھا۔ دوسری مہمات کی ابتداء شہرزور سے ہوئی۔ حذیفہؓ نے حکمران مرزبان سے' جس کا صدر مقام اردبیل میں تھا' معاہدہ کیا تھا' جس کی رو سے ایرانی حاکم نے آٹھ لاکھ درہم دینا منظور کیا اور حذیفہؓ نے وعدہ کیا کہ وہ ان میں سے کسی کو نہ قتل کرے گا' نہ اسے غلام بنائے گا' ان کے آتش کدوں کو مسمار نہیں کرے گا' لوگوں کو ان کی مروّجہ رسوم کی ادائیگی سے نہ روکے گا اور کردوں کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرے گا۔

بابک خرمی کی بغاوت کے بعد آذربائیجان پر خلافت عباسیہ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور چند مقامی حکمران خاندان ابھر آئے۔ خارجیوں نے بھی بغاوت کر دی جو نیم عرب اور نیم کرد تھے۔ پھر مرزبان بن محمد دیلمی نے جو مذہبی عقیدے کی رو سے باطنی تھا' آذربائیجان پر قبضہ کر لیا۔ دیلمی خاندان کے بعد کردوں نے (۹۸۳ء تا ۱۰۷۰ء) اس ملک کی حکومت سنبھالی۔

گیارہویں صدی عیسوی میں سلجوقیوں کے عہد میں ترک غزوں نے شروع شروع میں چھوٹے چھوٹے جتھوں کی شکل میں اور بعد میں بڑی بڑی جمعیتوں کی صورت میں آذربائیجان پر حملے کئے اور بالآخر اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آذربائیجان اور ماورائے قفقاز (کوہ قاف کے پار) کے علاقوں (جارجیا اور آرمینیا)

کی ایرانی آبادی ترکی زبان بولنے لگی۔ ۱۱۳۶ء میں آذربائیجان اتابک ایلدگز کے قبضے میں آ گیا۔ ۱۲۲۵ء تا ۱۲۳۶ء صرف گیارہ سال یہاں خوارزم شاہ جلال الدین کا قبضہ رہا۔ مگر اس کے تعاقب میں منگول یہاں آ پہنچے۔ ہلاکو خان نے بغداد پر چڑھائی سے دو سال پہلے ۱۲۵۶ء میں آذربائیجان پر قبضہ کر کے اسے ایک وسیع سلطنت بنا دیا جو دریائے جیحوں سے لے کر شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ منگولوں کا صدر مقام پہلے مراغہ تھا۔ ہلاکو خان نے تبریز کو صدر مقام بنایا' جو تجارت اور ثقافتی زندگی کا بڑا مرکز بن گیا۔ چودھویں صدی میں یہ علاقہ امیر تیمور نے فتح کیا۔ اس کے بعد ترکمانوں کے قبضے میں چلا گیا' جن کا دارالحکومت تبریز تھا (۱۳۷۸ء تا ۱۵۰۲ء)۔

۱۵۰۲ء کے بعد آذربائیجان صفویوں کی پناہ گاہ اور بڑا مرکز بن گیا۔ وہ خود اردبیل کے رہنے والے تھے اور مقامی ایرانی بولی بولتے تھے۔ اس اثناء میں ۱۵۱۴ء اور ۱۶۰۳ء کے درمیان تبریز اور اس صوبے کے بعض دوسرے حصوں پر کئی بار عثمانی ترکوں کا قبضہ رہا۔ شاہ عباس صفوی نے ایرانی اقتدار بحال کیا' لیکن ایران پر افغانوں کے حملے کے دنوں میں (۱۷۲۲ء تا ۱۷۲۹ء) عثمانیوں نے پھر آذربائیجان اور ایران کے دوسرے مغربی صوبوں پر قبضہ جما لیا' یہاں تک کہ نادر شاہ افشار نے انہیں یہاں سے باہر نکالا۔

قاچاریوں کا عہد حکومت شروع ہوا تو آذربائیجان تخت کے ورثاء کا روایتی مسکن بن گیا۔ شمال میں روس کے ساتھ سرحدی حد بندی دریائے ارس کے ساتھ ساتھ ۱۸۲۸ء میں ہوئی (معاہدۂ ترکمان چای)۔ ترکی کے ساتھ مغربی سرحدوں کی حد بندی ۱۹۱۴ء میں ہوئی۔

سیاسی جدوجہد

۱۹۰۵ء کے بعد آذربائیجان کے نمائندوں نے انقلابِ ایران کی تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ ۳ راپریل ۱۹۰۸ء کو برطانیہ کی رضامندی سے روسی فوجیں تبریز کی غیر ملکی بستیوں کی حفاظت کے بہانے آذربائیجان میں داخل ہوئیں' لیکن بعد ازاں

مختلف حیلوں بہانوں سے اپنے قیام کو طول دیتی رہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران میں ترکوں سے لڑائیاں ہوتی رہیں، جن میں کبھی فتح ایک کی ہوئی اور کبھی دوسرے کی۔

۱۹۱۷ء میں جب روس میں اشتراکی انقلاب برپا ہوا تو اگلے برس زارِ روس کی شاہی فوجوں کی شکست فاش کے بعد اتحادیوں نے ۱۷/اگست ۱۹۱۸ء سے ۱۴ ستمبر ۱۹۱۸ء تک، روس کی طرف سے شہر باکو پر تحفظ کے خیال سے قبضہ کر لیا۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۱۸ء کو ترکی فوجوں نے نوری پاشا کے زیرِ قیادت باکو پر قبضہ کر لیا اور سابقہ صوبے کو آذربائیجان کا نام دے کر اس کا نظم و نسق نئے سرے سے قائم کیا۔ صوبے کو یہ نام دینے کی توجیہہ یہ کی گئی کہ اس کی ترکی زبان بولنے والی آبادی ایرانی صوبے آذربائیجان کی ترکی زبان بولنے والی آبادی کے مماثل ہے، اس لئے اس شمالی علاقے کا نام بھی وہی ہونا چاہئے جو (ایرانی) آذربائیجان کا ہے۔ آذربائیجان کے دونوں حصوں کے درمیان سرحدی حد بندی کے بعد جب اتحادیوں نے باکو پر ۱۷/اکتوبر ۱۹۱۸ء کو دوبارہ قبضہ کر لیا تو تاتاریوں کے حزب مساوات (نیشنلسٹ پارٹی) کی اُسی حکومت کو جو آذربائیجان میں پہلے سے موجود تھی، واحد حکمران جماعت تسلیم کر لیا۔ اتحادیوں نے روس سے کئے گئے معاہدے کے تحت علاقے سے اپنی فوجیں نکال لیں۔ روس کی ریڈ آرمی ۲۸/اپریل ۱۹۲۰ء کو کسی قسم کی مسلح بغاوت کے بغیر باکو میں داخل ہوئی اور سوویتی حکومت کے قیام کا اعلان ہو گیا۔ دو سال بعد ۱۹۲۲ء میں آذربائیجان کا الحاق ماورائے قفقاز سوویت وفاقی سوشلسٹ ری پبلک سے کر دیا گیا جو دو جمہوریتوں یعنی آرمیلیا اور جارجیا پر مشتمل تھی۔ آذربائیجان تیسری جمہوریہ تھی۔ ۱۹۳۶ء میں اس وفاقی ری پبلک کا خاتمہ ہو گیا اور ۵/دسمبر ۱۹۳۶ء کو جمہوریہ آذربائیجان کو سوویت یونین (یو ایس ایس آر) میں شامل کر لیا گیا۔ سوویت اشتراکی جمہوریہ کی حیثیت سے آذربائیجان نے معاشی ترقی، نئے نئے شہروں کی تعمیر اور صنعتی ترقی کے لحاظ سے نمایاں مقام حاصل کیا۔ تعلیم عام ہوئی۔ اقتدار میں لوگوں کو شرکت کے مواقع دیئے گئے، لیکن آذربائیجان ہر معاملے میں ماسکو کے کنٹرول میں تھا۔ کوئی فیصلہ بھی ماسکو کی مرکزی اشتراکی حکومت اور

کمیونسٹ پارٹی کی اجازت کے بغیر نہ ہوسکتا تھا۔ خاص طور پر سٹالن کے عہد میں (۱۹۲۸۔۱۹۵۳ء) آذربائیجان پر کافی سختیاں کی گئیں۔ اس وقت یہاں کی کمیونسٹ پارٹی کا سربراہ ایم اے بخریوف تھا جو سٹالن کا دست راست تھا۔ آذربائیجان کے عوام دو طبقوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک طرف روایت پرست اور پسماندہ دیہی علاقے تھے اور دوسری طرف باکو جیسا ترقی یافتہ بین الاقوامی صنعتی شہر تھا۔ سٹالن کی وفات کے بعد آذربائیجان کو کسی قدر آزادی اور خودمختاری نصیب ہوئی اور قوم پرستی کی بنیاد پر سیاسی رہنما' دانشور اور مدبر ابھرنے لگے۔

۱۹۲۰ء سے ۱۹۹۰ء تک مسلسل ستر برس آذربائیجان حقیقی آزادی کی نعمت سے محروم رہا۔ شدید نوعیت کے اقتصادی مسائل سے نمٹنے کے لئے روسی صدر گورباچوف نے بحالیٔ نو (پریسٹرویکا) اور زیادہ آزاد عملی (گلاسنوسٹ) کی اصلاحات نافذ کیں' جن کا عمل دخل معیشت و صنعت کے علاوہ معاشرت میں بھی ہوا۔ مغرب سے تخفیف اسلحہ کے معاہدے ہوئے' جن کی بنا پر فوجی اخراجات میں خاصی کمی ہوئی' جس کا معاشی صحت پر خوشگوار اثر ہوا۔ اب درونِ ملک اختلاف رائے کو برداشت کیا جانے لگا۔ آئین میں اصلاح و ترمیم کرکے آزادانہ انتخابات کی راہ ہموار کی گئی' جن سے کمیونسٹ پارٹی کے واحد سیاسی قوت ہونے کا طلسم ٹوٹ گیا۔ ۱۹۸۹ء کے عام انتخابات میں بڑے بڑے مشہور کمیونسٹ لیڈروں کو اصلاح پسندوں کے ہاتھوں عبرت ناک شکست ہوئی' جس کے نتیجے میں سوویت یونین میں شامل ریاستوں میں یونین کو توڑنے اور آزادی حاصل کرنے کی تحریک شروع ہوئی۔ ۱۹۹۰ء میں بعض دوسری جمہوریاؤں کی طرح آذربائیجان نے بھی اپنی آزادی اور خودمختاری کی قرارداد پاس کی اور اگست ۱۹۹۱ء میں آزادی کا اعلان کردیا۔

۱۳/دسمبر ۱۹۹۱ء کو پانچ وسط ایشیائی جمہوریاؤں (قازقستان' ازبکستان' کرغستان' تاجکستان اور ترکمانستان) کے لیڈروں کا ایک اجلاس قازقستان کے دار الحکومت الماآتا میں منعقد ہوا' جس میں سوویت یونین کے خاتمے اور آزاد ریاستوں

کی دولت مشترکہ (Commonwealth of Independent States) قائم کرنے کا اعلان ہوا۔

۲۰ دسمبر ۱۹۹۱ء کو الما آتا ہی میں ایک اور تاریخ ساز اجلاس منعقد ہوا جس میں گیارہ جمہوریاؤں نے سوویت یونین (یو ایس ایس آر) کے مکمل خاتمے اور آزاد ریاستوں کی دولت مشترکہ (C.I.S.) میں شامل ہونے کا اعلان کیا۔ ان میں آذربائیجان بھی شامل تھا جس کے صدر ایاز مطلبوف نے اجلاس میں ایک پرزور تقریر کی تھی۔

جنوری ۱۹۹۲ء میں عوامی ریفرنڈم ہوا جس میں ۹۹.۶ فی صد لوگوں نے آزادی کے حق میں رائے دی۔ ستمبر ۱۹۹۳ء میں آذربائیجان نے اقوامِ متحدہ اور اسلامی سربراہ کانفرنس (O.I.C) کی رکنیت اختیار کی۔ سوویت یونین سے آزاد ہونے کے بعد ایاز مطلبوف آزاد آذربائیجان کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ مئی ۱۹۹۲ء میں ''پاپولر فرنٹ'' نے مطلبوف کا تختہ الٹ دیا۔ نئے انتخابات کرائے گئے۔ پاپولر فرنٹ کے امیدوار ابوالحفیظ اُلغ بے کامیاب ہوکر نئے صدر ہوئے۔ وہ دونکاتی انتخابی منشور کی بنیاد پر کامیاب ہوئے تھے' یہ کہ آذربائیجان ''آزاد ریاستوں کی دولت مشترکہ'' سے الگ ہوجائے گا' دوم یہ کہ نگورو قراباخ کو آرمینیا کے فوجی شکنجے سے نکال کر اس پر مؤثر کنٹرول کیا جائے گا۔ اکتوبر ۱۹۹۳ء میں ملک میں عام انتخابات ہوئے اور ڈالے گئے ووٹوں کا ۹۸.۸ فی صد لے کر حیدر علی یوف صدر مملکت منتخب ہوئے۔ حیدر علی یوف روس کی سراغ رساں ایجنسی ''کے جی بی'' کے اعلیٰ عہدے دار رہ چکے ہیں۔ آذربائیجان کی کمیونسٹ پارٹی کے لیڈر ہیں۔ آذربائیجانی قوم پرستی ان کا سیاسی منشور ہے جس کی تشہیر وہ اپنے زورِ خطابت سے کرتے رہتے ہیں۔ ۱۹۹۶ء سے اب تک رضی زادہ آرتر وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر فائز ہیں۔

دینی ماحول

آذربائیجان پر روس کے قبضے کے وقت یہاں کی آبادی ۸۰ فیصد شیعوں اور ۲۰

فیصد سنیوں پر مشتمل تھی۔ سنی زیادہ تر شمال میں داغستان کے قریبی علاقے میں رہتے تھے۔ شیعوں کی کثرت کی وجہ یہ ہے کہ ایران کے صفوی خاندان کے حکمران ایک عرصے تک آذربائیجان پر براہ راست حکومت کرتے رہے ہیں۔ اپنے عہد میں انہوں نے یہاں فارسی زبان اور شیعیت کو فروغ دینے کی پوری پوری کوشش کی۔ روسیوں نے ایران سے دو بڑی جنگیں کر کے اس علاقے کو فتح کیا۔ پہلی جنگ ۱۸۱۳ء کے معاہدۂ گلستان اور دوسری جنگ ۱۸۲۸ء کے معاہدۂ ترکمان چائی کے نتیجے میں ختم ہوئی اور ایران دونوں معاہدوں کے تحت روس کے حق میں دست بردار ہوا۔ ۱۸۴۰ء تک آذربائیجان روس کے براہ راست فوجی اقتدار میں آ گیا تھا۔

روس کے زار شاہی عہد ستم میں مسلمان علمائے دین کا اثر و رسوخ بہت تیزی سے کم ہونے لگا۔ شاہی قانون کے تحت شریعت کو رواج کے قوانین کا پابند بنا دیا گیا۔ مسلمانوں کے اوقاف اور اُن کے املاک بحق سرکار ضبط کر لئے گئے۔ یوں علماء کے مذہبی و انتظامی فرائض و اختیارات زار شاہی کی بیوروکریسی نے سلب کر لئے۔ ان کی معاشی حالت خود بخود ابتر سے ابتر ہوتی چلی گئی۔

زار حکومت کی بنیادی پالیسی' جس نے روس کے دیگر مقبوضات کی طرح آذربائیجان سے بھی علمائے دین کا صفایا کر دیا' یہ تھی کہ ۱۸۴۰ء میں دو مذہبی بورڈ بنائے گئے' ایک شیعوں کا بورڈ' ایک سنیوں کا بورڈ۔ مقصد یہ تھا کہ جس طرح روسی عیسائیوں کے دینی امور کے تصفیہ کے لئے ''مجلس کلیسا'' بنا دی گئی تھی جس کی نگران حکومت تھی' اسی طرح مسلمانوں کے ''چرچ'' اور اسلام کے نام لیواؤں کے دینی امور بھی ایسی مجلس کے تحت کر دیئے جائیں جس کا کنٹرول حکومت کے ہاتھ میں ہو۔ ہر مجلس کا ایک صدر تھا جس کا تقرر حکومت کرتی تھی۔ شیعہ بورڈ کا صدر شیخ الاسلام کہلاتا تھا اور سنی بورڈ کا صدر مفتی کہلاتا تھا۔ صدر کی نیابت کے لئے چند ارکان بھی ہوتے تھے جن کا انتخاب اور تقرر حکومت کرتی تھی۔ ہر صوبے میں صدر کا انتظامی دفتر (مع عدالت) ہوتا تھا۔ اُس وقت آذربائیجان کے چار صوبے تھے: طفلس' اریوان' گنجہ اور باکو۔ دونوں

مجلسوں کا نظم ونسق زار شاہی کی وزارتِ داخلہ کے سپرد تھا۔ صدرِ مجلس کے تحت جتنے بھی مولوی' ملاّ تھے' وہ سب سرکاری حکام کے قانونی دائرہ اختیار میں تھے۔ وہ سب اپنے صدر مجلس سے زیادہ سرکاری ملازم کے سامنے جواب دہ تھے۔

حکومت نے قواعد وضوابط نافذ کئے تھے' جن کے تحت ملاّ اور قاضی اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ ان کے سینئر جونیئر ہونے اور عہدے داری کا سارا حفظ مراتب کا نظام سرکار نے بنا دیا تھا کہ کس درجے کے ملاّ کے کیا فرائض واختیارات ومراعات ہوں گے' اور کوتاہی اور غفلت کی صورت میں وہ کن کن سزاؤں اور جرمانوں کا مستحق ہوگا۔ ہر بڑے سے بڑے علامہ سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے ملاّ تک کو زار کے لئے حلف وفاداری اٹھانا پڑتا تھا۔ یہ کہ ''وہ حکومت کے قوانین واحکام وہدایات کی صدق دلی سے پاسداری کرے گا''۔ یہ کہ وہ ''اپنے ہم مذہبوں کو بھی شہنشاہ معظم کی پختہ وفاداری کی تلقین وتحریک کرے گا''۔ یہ کہ وہ ''سرکاری حکام کی پوری اطاعت کرے گا''۔

حکومت نے مذہبی املاک کے بارے میں ایسے قوانین بنائے جن سے ''وقف'' کی تعریف ہی یکسر بدل گئی اور اسلام میں لفظ ''وقف'' کو جو تحریم وتقدیس حاصل ہے اس نے کوئی اور ہی مفہوم اختیار کر لیا۔ کسی مسلمان شخص یا جماعت یا ادارے کے پاس جو بھی جائیداد یا چیز نسبت یا نقدی ہے وہ گویا ''وقف'' میں شامل ہے۔ یہ تمام مذہبی املاک حکومت جب چاہے ''نیلامی'' کے ذریعے فروخت کر سکتی ہے۔ دو مسلمانوں کے باہمی تنازعے کا تصفیہ اسلامی شریعت کے مطابق نہیں' بلکہ حکومت کے نافذ کردہ سول قانون کے مطابق ہوگا۔

بیسویں صدی کے آتے آتے روس میں زار شاہی کمزور پڑ گئی اور وہاں قومی تحریک نے زور پکڑا۔ اس وقت تک ایک صدی کے زاریت کے مظالم سہتے سہتے مسلمانوں کی انتظامیہ بھی بہت کمزور ہو گئی تھی۔ یہ درست ہے کہ حکومت کے دباؤ کے تحت سنی شیعہ فرقہ واریت نے جبری امن وامان کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اسلام کے دونوں بڑے فرقوں میں ہم آہنگی کی اس سے بڑھ کر مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ ۱۹۰۵ء

اور پھر ۱۹۰۶ء میں ''آل رشین مسلم کانگریس'' میں سلطنت روس کے سنی علماء نے اتفاق رائے سے شیعیت کو پانچواں فقہی مکتب تسلیم کرلیا۔ علاوہ ازیں ایک اصلاحی تحریک کا بھی آغاز ہوا جس نے روسی مسلمانوں کو رجعت پسند (قدیمی) اور ترقی پسند (جدید) دو گروہوں میں تقسیم کر دیا' لیکن باہمی جنگ وجدل کی کیفیت پیدا نہ ہوئی۔

زارشاہی کے خاتمے کے بعد جب روسیوں کا اقتدار اور اشتراکیت کا غلبہ ہوا تو آذربائیجان میں دین اور دنیا میں دوری پیدا کر دی گئی۔ کہا گیا کہ دین کا دُنیوی امور سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آذربائیجانی ثقافت اور تعلیم سے قومی اور دینی عناصر خارج کر دیئے گئے۔ قومی ادب کی جگہ اشتراکی ادبیات کی ترویج ہوئی۔ محکمہ تعلیم خاص طور پر اشتراکی اصلاحات کا نشانہ بنا۔ دینی علوم کی نشر و اشاعت کرنے والے اساتذہ کو ملازمتوں سے فارغ کر دیا گیا اور بعض کو جلاوطن کر دیا گیا۔

۱۹۴۱ء میں جب جرمنی نے روس پر حملہ کیا تو سٹالن کی حکومت نے روسی مملکت کی مختلف اقوام کو بہت سی ثقافتی مراعات عطا کر دیں۔ چنانچہ اس دور میں لادینی نظام تعلیم کو ''سائنٹیفک تعلیم'' کا نام دے دیا گیا اور دینی عقائد اور مذہبی رسوم کو قومی ورثہ کہا جانے لگا۔ سنی اور شیعہ علماء کے بورڈ بحال کر دیئے گئے' لیکن عوام کا ان اداروں کے علماء پر اعتماد بحال نہ ہو سکا۔ تربیت کا کام صرف بخارا کے دینی مدارس میں (نچلے درجے کے سات سالہ نصاب کے لئے) اور تاشقند کے دینی مدارس میں (بالائی درجے کے چار سالہ نصاب کے لئے) حکومت کی نگرانی میں ہوتا رہا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ دینی تعلیم کی عام ترویج و اشاعت نہ ہو سکی۔ ۱۹۷۰ء تک آذربائیجان کے شہروں کے مسلمان اسلامی تعلیمات سے بالکل ناآشنا تھے۔ جہالت اور بے علمی کا یہ حال تھا کہ وہ نوروز (ایک قدیم ایرانی تہوار) کو اسلامی تہوار سمجھتے تھے اور اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ سنی شیعہ اختلاف کی اصل وجہ کیا ہے۔ عام مسلمان یہ خیال کرتے تھے کہ حکومت کے مقرر کردہ مولوی' ملّا درحقیقت سراغ رساں ایجنسی ''کے جی بی'' کے تنخواہ دار ایجنٹ ہیں۔ لے دے کر جو گنتی کی چند مذہبی رسوم باقی رہ گئی تھیں وہ

بھی توہمات' ضعیف الاعتقادی اور تعویذ گنڈے تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ دیہات کا حال شہروں سے بھی برا تھا۔ مزاروں کی زیارت کے لئے خصوصی سفر اختیار کئے جاتے تھے۔ مزاروں پر حاضر ہو کر منت مُرادیں مانگی جاتی تھیں اور بزرگوں کی فرضی کرامات پر اندھا اعتماد کیا جاتا تھا۔

مذکورہ سماجی اور دینی کمزوریوں کے باوجود لفظ ''مسلم'' اخلاقی عظمت اور اعلیٰ شائستگی کا نشان تھا۔ روسیوں کو اشتراکیت کے زیر اثر بے دین' لامذہب اور اخلاقی قدروں سے برگشتہ سمجھا جاتا تھا' اگرچہ وہ اصلاً عیسائی تھے۔ یہاں تک کہ آذربائیجان کمیونسٹ پارٹی کے مسلمان ارکان اور عہدے داران بھی ختنہ' شادی اور مرگ کی مذہبی رسوم کی پابندی کرتے تھے۔

وسط ایشیائی مسلم ریاستوں کی طرح آذربائیجان کے باشندوں پر بھی ۱۹۶۰ء کے بعد خاصی سختیاں روا رکھی گئیں' حتیٰ کہ انہیں بے گھر اور جلاوطن کرنے کی پوری کوشش کی گئی' اس کے باوجود ۱۸۸۰ء سے صنعتی ترقی کی لہر کے بعد پہلی مرتبہ آذربائیجان اور دارالحکومت باکو میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ۱۹۹۰ء میں جب روس کے خلاف قومی تحریک چلی تو سنی علماء کے بورڈ کے صدر شیخ الاسلام عبدالشکور پاشازادہ نے قومی تحریک کے دوران روسی مظالم پر آواز اٹھا کر بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ اب وہ سیاسی معاملات میں زیادہ دخل نہیں دیتے' اگرچہ اُن کے تعلقات اب بھی ایران اور سعودی عرب سے قائم ہیں۔

آزادی ملنے کے بعد ''پاپولر فرنٹ'' کے لیڈر اور منتخب صدر مملکت ابوالحفیظ اُلغ بے نے جون ۱۹۹۲ء میں قرآن حکیم کو بوسہ دے کر آزادی کی تقریبات کا افتتاح کیا تھا اور سماجی اور مذہبی پابندیوں کے خاتمے کا اعلان کیا تھا۔ شیخ الاسلام پاشا زادہ اِس تقریب میں شریک تھے۔ پھر ایک ہی سال کے بعد پرانی کمیونسٹ پارٹی اقتدار پر قابض ہو گئی اور حیدر علی یوف نے' جو کسی زمانے میں کمیونسٹ پارٹی کا فرسٹ سیکرٹری تھا' صدر مملکت کا عہدہ سنبھال لیا۔ اس تقریب میں بھی پاشا زادہ شریک تھے۔ اگرچہ

اقتدار کے ابتدائی چند مہینوں میں سیاسی حریفوں اور ناقدوں پر سختیاں بھی ہوئی ہیں' لیکن پھر بھی موجودہ صدر حیدر علی یوف نے مذہب کے بارے میں اُلغ بے کی پالیسیوں کو تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ دینی جماعتیں ملک میں غیر معروف ہیں اور سیاسی سرگرمیوں میں مذہب کا کوئی فعال کردار نہیں ہے۔

مسلم عیسائی فسادات

آئے دن کے مسلم عیسائی فسادات آذر بائیجان کی معاشرتی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ فسادات کی جڑ ایک تو اس کا دارالحکومت اور سب سے بڑا صنعتی شہر باکو ہے' اور دوسرے نگورو قراباخ کا علاقہ۔

باکو کی آبادی تقریباً ۱۸ لاکھ ہے۔ یہ بحیرۂ کیپسین کی بندرگاہ ہے۔ باکو اور اس کے قرب و جوار کا علاقہ تیل' پٹرولیم اور قدرتی گیس کی پیداوار میں دنیا بھر میں مشہور ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے وقت باکو دنیا کا سب سے بڑا پٹرولیم پیدا کرنے والا علاقہ تھا۔ دوسری جنگ عظیم تک یہ علاقہ سوویت روس کا سب سے زیادہ تیل پیدا کرنے والا علاقہ رہا۔ باکو شہر میں پٹروکیمیکل' سوتی' ریشمی اور اُونی کپڑے' چمڑے کا سامان' مشینیں اور ایلومینیم سے تیار ہونے والی بہت سی چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ باکو دوسرے شہروں سے شاہراہوں اور سڑکوں کے ذریعے جڑا ہوا ہے اور یہاں سے بحیرۂ اسود کے شہر پوتی تک ایک ریلوے لائن بھی جاتی ہے۔

اتنے بڑے صنعتی شہر میں مزدوروں میں رقابت و تصادم غیر معمولی بات نہیں' لیکن یہاں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان جذبۂ خصومت صدیوں سے' غالباً صلیبی جنگوں کے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ روسی اور آرمینی باشندے' جو زیادہ تر عیسائی ہیں' شہر کے وسطی علاقے میں رہتے ہیں' جبکہ مسلمان باکو کی نواحی بستیوں میں رہتے ہیں۔ نسلی اور مذہبی اختلافات خانہ جنگی کی صورت اس وقت اختیار کرتے ہیں جب سیاسی عدم استحکام اور معاشی انحطاط ہو۔ مسلم عیسائی فسادات' جنہوں نے قتل و قتال کی شکل اختیار کر لی تھی' ۱۹۰۵ء میں اور پھر ۱۹۱۸ء میں ہوئے۔ اعلیٰ فنی مہارت' تعلیمی معیار اور

زیادہ معاوضے کے لحاظ سے عیسائی مسلمانوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ گویا مسلمان عیسائیوں سے پیچھے ہیں۔ شہر میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے، یعنی کوٹا سسٹم اور ''زیادہ املاک والے کو زیادہ مراعات'' کے نظام کی وجہ سے باکو شہر کی قانون ساز کونسل پر آرمینی اور روسی باشندوں کا تسلط رہتا ہے، جو کہ ثروت مند بھی ہیں۔ اصل آذربائیجانی (مسلمان) محنت کش اور تقدیر پرست ہیں۔ اوپر اٹھنے اور آگے آنے کی شعوری کوشش نہیں کرتے۔ یوں رقابت کا جذبہ خونیں فسادات کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

نگورو قراباخ کا رقبہ ۴۴۰۰ مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً دو لاکھ ہے۔ اس کے دارالحکومت سٹیپانا کرٹ کی آبادی ۳۳ ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ یہاں ۷۷ فیصد آرمینی اور ۲۲ فیصد آذری نسل کے باشندے ہیں۔ یہ علاقہ اٹھارہویں صدی میں ایک آزاد ریاست تھا۔ ۷ رجولائی ۱۹۲۳ء کو اسے آذربائیجان کا حصہ قرار دے کر داخلی خود مختاری دے دی گئی۔

یہاں ریشم، شراب سازی، مرغبانی، فارمنگ اور عمارتی سامان تیار کرنے کی صنعتیں موجود ہیں۔ قابل زراعت رقبہ ۶۷ ہزار ۲۰۰ ہیکٹر ہے، جس میں کپاس، گندم اور انگور کی پیداوار ہوتی ہے۔ ۱۳۳ اجتماعی اور ۳۸ حکومتی زرعی فارم بھی موجود ہیں۔

فروری ۱۹۸۹ء میں نگورو قراباخ کی سپریم کونسل نے آذربائیجان کی جگہ آرمیڈیا سے الحاق کا اعلان کیا، کیونکہ یہاں عیسائیوں کی اکثریت ہے۔ یہ اعلان آرمیڈیا کی شہ پر کیا گیا تھا، کیونکہ آرمیڈیا ۱۹۸۳ء ہی سے یہاں کے عیسائیوں کو آذربائیجان سے الگ ہونے کی انگیخت کرتا رہتا تھا۔ آرمیڈیا سے ان کا الحاق آذربائیجان کے مفادات کے خلاف تھا، کیونکہ یہ علاقہ آذربائیجان کے عین وسط میں واقع ہے۔ ستمبر ۱۹۹۱ء میں نگورو قراباخ نے آزاد جمہوریہ ہونے کا اعلان کر دیا اور ۹۹.۹ فیصد ووٹوں کی اکثریت سے دسمبر میں مکمل آزادی کی توثیق ہوگئی۔ آذربائیجان کی حکومت نے ردّعمل کے طور پر نگورو قراباخ کی خود مختار حیثیت ختم کرتے ہوئے اسے براہ راست اپنے کنٹرول میں لے لیا اور دارالحکومت کا نام بدل کر ''خانقندی'' رکھ دیا، جس کی بنا پر آرمیڈیا اور

آذربائیجان میں اس پر قبضے کے لئے جنگ چھڑ گئی۔ آرمینیا کا جانی و مالی نقصان بہت زیادہ ہوا' لیکن اس نے ۱۹۹۳ء میں اس پر قبضہ کر لیا۔ ۱۶ر فروری ۱۹۹۴ء کو روسی حکومت کے زیر اثر دونوں ملکوں میں جنگ بندی ہو گئی۔ جنگ بندی کے معاہدے پر آذربائیجان' آرمینیا اور نگورو قراباخ کے نمائندوں نے دستخط کئے' مگر یہ آرمینی قبضہ بین الاقوامی سطح پر مفاہمت کی کوششوں کے باوجود ابھی تک قائم ہے اور وقفے وقفے سے جنگ ہوتی رہتی ہے۔ اگست ۱۹۹۹ء میں دونوں ملکوں کے صدور کے درمیان مذاکرات ہوئے تھے' لیکن کوئی اطمینان بخش نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

نظام حکومت

آذربائیجان نے حصولِ آزادی کے بعد کوئی نیا آئین نہیں بنایا' بلکہ ۱۹۷۸ء کے سوویت یونین کے زمانے کے آئین ہی کو ۱۹۹۱ء کا ایکٹ آزادی قرار دے کر اس میں حسب ضرورت صدارتی آرڈیننس اور پارلیمنٹ کے فیصلوں کے مطابق کچھ ترامیم کر لی گئی ہیں۔ صدر مملکت کا انتخاب عوام کے براہ راست ووٹوں سے کیا جاتا ہے۔ صدر کو کافی اختیارات حاصل ہیں جن میں ۱۹۹۳ء میں اضافہ کیا گیا۔ ۱۹۹۲ء میں ۳۵۰ ارکان پر مشتمل ''سپریم سوویت'' ختم کر کے اس کی جگہ ۵۰ رکنی نیشنل اسمبلی (ملی مجلس) کی تشکیل کی گئی ہے۔ حصولِ آزادی کے بعد آذربائیجان کو سیاسی عدم استحکام کا سامنا کرنا پڑا' اوپر تلے دو منتخب صدور کو معزول کیا گیا اور دونوں کی معزولی کا سبب نگورو قراباخ کے تنازع میں فوجی شکست کے خلاف عوامی احتجاجی مظاہرے تھے۔

بڑی بڑی سیاسی جماعتیں یہ ہیں: قوم پرست اور ترقی نواز پاپولر فرنٹ' سوشل ڈیموکریٹک پارٹی' کمیونسٹ پارٹی جو ۱۹۹۱ء میں کالعدم قرار دی گئی' لیکن ۱۹۹۳ء میں بحال کر دی گئی' مسلم ڈیموکریٹک پارٹی جس کا نصب العین ملک میں اسلامی نظام قائم کرنا ہے' اور ''تحریک برائے جمہوری اصلاحات'' (ایم ڈی آر)۔

مسلح افواج: ۱۹۹۱ء میں قومی فوج' بحریہ اور فضائیہ کی تشکیل کی گئی۔ روسی افواج نے ۱۹۹۳ء میں حسبِ معاہدہ واپسی کا عمل مکمل کر لیا تھا۔ بحریہ آزاد ریاستوں کی

''دولت مشترکہ'' کے ماتحت ہے۔ ہر بالغ مرد پر کم از کم سترہ ماہ کی فوجی خدمت قانوناً ضروری ہے۔ نگورو قراباخ کے تنازعے پر آرمینیا سے کئی برس تک حالت جنگ میں رہنے کے سبب عسکری منصوبہ بندی اور لازمی فوجی خدمت ایک قومی ضرورت بن گئی ہے۔ اس تنازع کی وجہ سے ملک میں بدامنی کی فضا پیدا ہوئی جس سے جرائم کی شرح میں اضافہ ہوا اور یوں فوج کے ساتھ ساتھ پولیس کا محکمہ بھی وزارتِ داخلہ کے تحت منظم کیا گیا۔

تعلیم: ہر سطح پر تعلیم مفت ہے۔ اداروں اور کارکنوں پر خصوصی تعلیمی ٹیکس عائد ہے جس کی ادائیگی لازمی ہے۔ ۱۹۵۹ء سے اب تک آٹھ سالہ تعلیم کا حصول ہر شہری پر لازم ہے۔ سوویت یونین کے ساتھ الحاق کے زمانے ہی میں ناخواندگی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اعلیٰ تعلیم، تحقیقی مراکز اور علمی اداروں کا جال پورے ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ آذربائیجان سٹیٹ یونیورسٹی ۱۹۱۹ء میں باکو میں قائم ہوئی تھی۔ اس میں بارہ علوم کے شعبوں میں اعلیٰ تعلیم کا اعلیٰ بندوبست ہے۔ اس میں شام کی کلاسیں بھی لگتی ہیں اور بذریعہ مراسلت تعلیم کا انتظام بھی ہے۔ ۱۹۵۰ء میں ایک بڑا پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ بھی قائم ہوا تھا۔ یہ بھی باکو میں ہے۔ اکیڈمی آف سائنسز (قائم شدہ ۱۹۴۵ء) کا بنیادی کام طبیعیات، کیمیا، کیمیکل ٹیکنالوجی، پٹرو کیمسٹری، جینیات اور دوسرے سائنسی علوم کے مراکز اور اُن کی تحقیقاتی سرگرمیوں میں رابطہ پیدا کرنا ہے۔

زبان و ادب

آذربائیجان کے لوگوں کی زبان آذری ہے، خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔ یہ قدیم فارسی لہجے کی ترکی زبان ہے۔ یہ زبان ابتدا میں صرف آذربائیجان میں بولی جاتی تھی، اب صوبہ آذربائیجان ایرانی، ترکی، خراسان، استرآباد، ہمدان، داغستان اور گرجستان میں بھی بولی جاتی ہے۔ اس زبان میں باکو، شروان، گنجہ، قراباخ، تبریز اور اُرمیہ کی بولیاں شامل ہیں۔

آذری زبان میں ادبِ عالیہ تخلیق ہوا ہے۔ آذری ادب میں پہلا شخص غالباً شیخ

عز الدین اسفریانی تیرہویں صدی کا مشہور شاعر تھا۔ اس کا تخلص حسن اوغلو تھا۔ اُس کے بعد چودہویں صدی عیسوی کے دو بڑے شعراء قاضی برہان الدین اور نسیمی نے آذری ادب کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا۔ اُن کی سادہ نگاری اور حقیقت پسندی کو حبیبی، شاہ اسماعیل صفوی اور فضولی نے انتہا تک پہنچایا۔ ان کے بعد آنے والے ادیبوں نے اپنی تخلیقات میں عام بول چال کی زبان استعمال کرنے کے کامیاب تجربے کیے۔

سترہویں اور اٹھارویں صدی میں آذربائیجان کی سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی تحریکوں نے آذری ادب پر بہت گہرا اثر ڈالا۔ اس دور میں عوامی ادب کے ساتھ ساتھ کلاسیکی ادب بھی پیدا ہوا۔ رومانی شاعری کا عام رواج ہوا۔ قوسی، آغا مسیح شروانی، نشاط، ودادی اور واقف اس دور کے مشہور ادیب تھے۔

اُنیسویں صدی کا آذری مزاح نگار شاعر ذاکر (۱۷۷۴ـ۱۸۵۷ء) مشہور استاد ہو گزرا ہے۔ ان لوگوں کے بعد آذری ادب کا نیا دور شروع ہوا اور عملاً ایک انقلاب پیدا ہوا۔ اور پہلی بار تاریخی تصانیف، تمثیلی روایات، ڈراما اور نثر میں افسانوی ادب کی کتابیں نظر آنے لگیں۔ جا بجا آذری ادبی محفلیں اور انجمنیں قائم ہو گئیں۔

انیسویں صدی کے اواخر میں آذری اخبار نویسی اور صحافت کا آغاز ہوا۔ نئی ثقافتی تحریک اور جدت پسندی کے لئے آذری طنز نگار الکبر صابر (وفات ۱۹۱۱ء) پیش پیش تھا۔ اُس نے اپنے زورِ قلم سے رجعت پسندی، مذہبی تعصبات اور جہالت کے خلاف جہاد کیا۔ بعد کے مشاہیر محمد ہادی اور حسین جاوید ترکی ادب سے متاثر تھے۔ خانوادۂ حاجی بک لی کے افراد نے آذری تھیٹر کے لئے ایک ایکٹ کی مزاحیہ اور دیگر غنائی تمثیلیں تصنیف کیں۔ انہوں نے قومی موسیقی کی بنیاد رکھی۔

بیسویں صدی میں آذری زبان کا لسانی مطالعہ عباس قلی آغا نے کیا۔ اس نے شاعری بھی کی اور اس خطے کی مفصل تاریخ بھی قلم بند کی۔ میرزا فتح علی اخوندزادہ نے ڈرامے تخلیق کئے۔ اشتراکی نظریات و افکار کے تحت بیسویں صدی کے مسلمان ادیبوں

اور شاعروں نے سیکولرزم کا زیادہ پر چار کیا۔ سب نے علی بے حسین زادہ کے اس فکری جملے کو اپنا عملی اور تشہیری سلوگن بنالیا: ''ترکی اسلامیت اور مغربیت''۔ یہ بیسویں صدی کے پورے آذری ادب کا نعرہ رہا ہے۔

معیشت

دنیا کے دوسرے اسلامی ملکوں کی طرح آذربائیجان کی معاشی صورتِ حال بھی خوش آئند نہیں ہے۔ اس ملک کی اصل اور واحد اقتصادی طاقت تیل ہے، جس کی برآمد صرف پائپ لائن سے ہو سکتی ہے، جس کے راستے پر متعدد ممالک نے اپنے اپنے جال، سبز باغ اور وعدے پھیلا رکھے ہیں۔ پائپ لائن کا راستہ روس، ترکی، جارجیا اور ایران کے ذریعے کھل سکتا ہے۔ امریکہ، برطانیہ، روس، چین اور ایران نے اپنی اپنی جگہ راستہ دینے اور اخراجات کی کفالت کے منصوبے پیش کر رکھے ہیں، لیکن ابھی تک آذربائیجان تذبذب کی حالت میں ہے اور کوئی فیصلہ نہیں ہو پا رہا، کیونکہ ہر راستے کے بارے میں الگ خدشات اور شکوک ہیں۔

سوویت یونین کی ۷۱ سالہ غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے فوراً بعد پارلیمنٹ نے ۱۹۹۱ء میں اشتراکی پروگرام سے ہٹ کر ''معاشی آزادی کا ایکٹ'' منظور کیا، تاکہ ملک آزاد معیشت کی بین الاقوامی مارکیٹ میں داخل ہو سکے۔ اس ایکٹ کی پیروی میں ۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۳ء میں پانچ مزید ایکٹ نافذ کئے گئے:

۱) حق ملکیت کا ایکٹ: جس کے تحت ملکیت کی دوسری صورتوں کی طرح نجی ملکیت کا حق بھی تسلیم کیا گیا۔

۲) زرعی زمین پر کاشت کار کا حق ملکیت: ''جو بوئے اور کاٹے وہی مالک'' کا اصول تسلیم کیا گیا۔

۳) غیر ملکی سرمائے کا معاشی سہارا حاصل کرنے کے لئے: غیر ملکی سرمایہ کاروں کی حوصلہ افزائی اور خصوصی مراعات کا انتظام۔

۴) ٹریڈ ایکٹ: جس کے تحت اشیاء وخدمات کے آزادانہ تبادلے کی اجازت دی گئی۔

۵) ٹیکسوں کے نفاذ اور وصولی میں مناسب ردّو بدل۔

ان قوانین کے ساتھ ساتھ دیگر معاشی اصطلاحات سے شرح افراطِ زر پر بہت برا اثر پڑا' جو ۱۹۹۰ء میں ۷.۸ فیصد' ۱۹۹۱ء میں ۱۰۶ فیصد' ۱۹۹۲ء میں ۹۱۲.۳ فی صد اور ۱۹۹۴ء میں ۱۶۶۴ فیصد تک پہنچ گئی تھی۔ ۱۹۹۵ء کے بعد کمی کا رجحان شروع ہوا۔ ۱۹۹۷ء میں ۳.۵ فیصد تھی اور ۲۰۰۲ء میں مزید گھٹ کر ۱.۸ فیصد رہ گئی۔ یہ صورت حال معاشی استحکام کی نشان دہی کرتی ہے۔

بڑے بڑے شہر

دارالحکومت باکو کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے۔ دوسرا بڑا شہر سمگیٹ (Sumgait) ہے جو جدید صنعتی شہر ہے۔ یہ ۱۹۴۴ء میں آباد ہوا تھا۔ آبادی اڑھائی لاکھ کے قریب ہے۔ یہاں لوہے' فولاد' ایلومینیم' پارہ اور مصنوعی ربڑ کے بھاری کارخانے ہیں۔ بہت سی کیمیاوی اشیاء اور بجلی کا سامان تیار کرنے والی صنعتیں بھی فروغ پذیر ہیں۔ سمگیٹ درالحکومت سے صرف ۳۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ساحل پر واقع ہے۔ گویا یہ دارالحکومت کا نواحی شہر ہے۔

دوسرے بڑے شہروں میں گنجہ' کاراداخ' منگی چور' زاغلک' عکس تفا اور کافان قابل ذکر ہیں۔ گنجہ کی آبادی تین لاکھ کے قریب ہے۔ یہ وہی شہر ہے جس کی خاک سے نظامی گنجوی جیسا بڑا شاعر اور دانشور اٹھا تھا۔

قدرتی وسائل اور اپنی جفاکش کم آبادی کے باعث آذربائیجان دوسرے اسلامی ملکوں کے مقابلے میں کسی قدر خوشحال ہے۔ ایک خودمختار اور آزاد جمہوریہ کی حیثیت سے اقوام متحدہ کے ساتھ ساتھ اسلامی سربراہی کانفرنس کی تنظیم (او آئی سی) کا بھی فعال رکن ہے۔ پاکستان کے ساتھ اس کے تعلقات دوستانہ اور خوشگوار ہیں۔ اشتراکیت کے اثرات دُور ہونے اور اسلام کا رنگ دوبارہ غالب آنے میں کچھ وقت لگے گا۔

(آئندہ شمارے میں اس اسلامی ملک پر خصوصی فیچر پیش کیا جائے گا
جو ابجدی ترتیب میں دوسرے نمبر پر ہے)

تحریک نسواں یا تحریک نازن؟

محمد عطاء اللہ صدیقی

۸/مارچ کو ہر سال عالمی سطح پر خواتین کا دن منایا جاتا ہے۔ تحریکِ آزادیٔ نسواں کی علمبردار خواتین بے حد جوش و خروش سے جلسے جلوس کا اہتمام کرتی ہیں۔ ذرائع ابلاغ بھی اس دن کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ پاکستان میں نسوانی حقوق کی علمبردار مغرب زدہ بیگمات اور این جی اوز کا نیٹ ورک اس دن کو منانے میں اپنی تمام تر توانائیاں استعمال کرتا ہے۔ ہمارے ذرائع ابلاغ عام طور پر اس نام نہاد تحریک آزادیٔ نسواں کا صرف وہی رخ پیش کرتے ہیں جو مغربی میڈیا یا اس تحریک کی پُرجوش مبلغات دکھانا چاہتی ہیں۔ اس تحریک کے اصل اسباب وعوامل پر نہ تو روشنی ڈالی جاتی ہے اور نہ ہی اس تحریک کے منفی اثرات و مضمرات کا ناقدانہ جائزہ لیا جاتا ہے۔ درج ذیل سطور میں اس تحریک کے حوالے سے تصویر کا دوسرا رخ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

گزشتہ تین صدیوں کے دوران یورپ میں سر اٹھانے والی بیشتر فکری تحریکوں مثلاً سیکولرازم' لبرل ازم' سوشلزم' فاشزم اور پھر تحریکِ نسواں (Feminism) میں ایک قدرِ مشترک یہ ہے کہ ان تحریکوں کی بنیاد نفرت کے جذبات پر رکھی گئی۔ انہوں نے کسی ایک مبینہ ظالم کی نشان دہی کی اور پھر اس کے خاتمے کے لئے بھرپور جدوجہد شروع کر دی۔ اشتراکیوں کے نزدیک نجی جائیداد اور اس کے مالکان اصل ''مجرم'' تھے۔ فشار پسندوں (Anarchists) کے نزدیک ریاست ہی سب سے بڑا ظالمانہ اور جابرانہ ادارہ ہے جو فرد کی خوشیوں کا قاتل ہے' لہٰذا اسے نہیں ہونا چاہئے۔ فاشسٹوں کے خیال میں لبرل پارلیمانی جمہوریت ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ یورپ کے نسل پرستوں (Racists) کی رائے میں یہودی بطورِ قوم ان کی معاشی پریشانیوں کا اصل

سبب تھے' اس لئے انہوں نے یہود کشی کو ان مسائل کا حل بتلایا۔ بقول فرڈیننڈ لنڈ برگ عورت پسندوں (Feminists) کے نزدیک تقریباً نصف انسانی نسل یعنی مَرد ہی ظالم ہے' لہٰذا انہوں نے ان کے خلاف محاذ کھول لیا۔

یورپ میں تحریکِ آزادیٔ نسواں کا باقاعدہ آغاز فرانسیسی انقلاب کے فوراً بعد ہوا۔ فرانسیسی انقلاب کے مفکرین کے نزدیک مساواتِ مَرد و زن کا کوئی تصور نہ تھا۔ ان کی پیش کردہ ''مساوات'' کے نعرے آزاد اور جائیداد رکھنے والے مَردوں کے سیاسی حقوق تک ہی محدود تھے۔ روسو جیسا حریت و مساوات کا علمبردار عظیم فلاسفر بھی عورتوں کو مساوی حقوق دینے کے خلاف تھا۔ ۱۷۸۹ء میں فرانس کی انقلابی اسمبلی میں ایک رکن کانڈورسیٹ (Condorcet) نے اپنی تقریر میں مطالبہ کیا کہ شہریوں کے حقوق میں عورتوں کو بھی شامل کیا جائے' جس کے نتیجے میں اسے باغی قرار دے کر پھانسی دے دی گئی۔ مگر فرانسیسی انقلاب نے حریتِ فکر کا جو الاؤ گرم کیا تھا اس کی تپش جلد ہی انگلش چینل کے پار بھی محسوس کی جانے لگی۔

۱۷۹۲ء میں ایک انگریز خاتون میری وولسٹن کرافٹ (Mary Wollstone Craft) نے ''ونڈی کیشن (Vindication) آف دی رائٹس آف وومن'' کے نام سے کتاب لکھ کر پہلی دفعہ بھرپور استدلال کے ساتھ عورتوں کے مساوی حقوق کی بات کی۔ میری وولسٹن کرافٹ کو تحریک آزادیٔ نسواں کا بانی اور اس کی کتاب کو اس تحریک کے ''بائبل'' ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ میری کرافٹ کا بنیادی استدلال یہ تھا کہ عورتیں مَردوں کے مشابہ ہیں' اسی لئے انہیں یکساں تعلیم' یکساں سیاسی حقوق (ووٹ)' کام کرنے کے یکساں مواقع اور ان کے لئے یکساں اخلاقی ضابطے وضع کئے جائیں۔ لنڈ برگ کے خیال میں میری کی کتاب صرف ایک سحر انگیز رومانوی لفظ ''مساوات'' کے گرد ہی گھومتی تھی۔

عورت کے فطری فرائض کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کا اصل مقام اس کا گھر ہے۔ جنگ عظیم دوم سے قبل یورپ میں بھی اکثریتی رائے یہی تھی۔ مگر مشرق و مغرب میں ہر

زمانے میں عورتوں کی ایک محدود تعداد ایسی ضرور رہی ہے جسے چراغِ خانہ کی بجائے شمعِ محفل بننے میں زیادہ دلچسپی رہی ہے۔ گھر سے باہر کی زندگی انہیں بے حد پر کشش دکھائی دیتی ہے۔ ایسی عورتیں مَردانہ اوصاف کی حامل ہوتی ہیں اور مَردانہ فرائض کی ادائیگی میں انہیں یک گونہ مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ صنعتی انقلاب نے ایسی عورتوں کے لئے گھر سے باہر نکلنے کے شاندار مواقع فراہم کئے۔ یہی وہ ابنارمل عورتیں تھیں جنہوں نے مساواتِ مَرد و زن کے غیر فطری تصور کو بالآخر ایک جذباتی تحریک کی شکل دے دی۔ رفتہ رفتہ اس تحریک کی قیادت ایسی عورتوں کے ہاتھ میں آ گئی کہ جن کا اصل نصب العین جنسی آزادیوں کا حصول ہی رہ گیا۔ نسوانیت اور شرم و حیا ان کے خیال میں محض دقیانوسی خیالات تھے، جن کا مقصد عورت کو مستقلاً مَرد کی غلامی میں جکڑ کر رکھنا تھا۔ فرڈیننڈ لنڈ برگ اپنی معروف کتاب ''جدید عورت، صنفِ گم گشتہ'' میں ایسی عورتوں کے بارے میں یوں رقم طراز ہے:

> ''حقوقِ نسواں کی علمبردار عورتیں نسوانیت سے نجات حاصل کرنے کا بھرپور تہیہ کئے ہوئے تھیں۔ ان کے خیال میں یہی نسوانیت ہی تھی جو ان کی سیاسی، معاشی، سماجی اور جنسی محرومیوں کا بنیادی سبب تھی۔''

وہ اس تحریک کی آئیڈیالوجی کے فروغ پانے کی وجوہات کا تعین کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> *It was out of the disturbed libidinal organization of women that the ideology of feminism arose.*
>
> ''یہ عورتوں کے جنسی اختلال کی بنا پر تھا کہ تحریکِ نسواں کا نظریہ آگے بڑھا''۔

وہ مزید لکھتا ہے:

> ''عورتوں کے دائرہ کار میں اصلاح کے پس پشت اصل بات یہ تھی کہ یہ عورتیں لاشعوری طور پر اپنی جنسی زندگی کے دائرے میں تبدیلی چاہتی تھیں۔ یہ وہ عورتیں تھیں جو لاشعوری طور پر اپنے مغلوب یا تباہ ہونے کے خدشات کا شکار تھی، انہوں نے اس مسئلے کا مَردانہ وار مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔''

انیسویں صدی میں تحریکِ نسواں کو قابل ذکر پذیرائی ۱۸۴۸ء میں ملی جب

نیویارک کے نزدیک سینکا فال کے مقام پر باغیانہ مزاج رکھنے والی عورتوں نے پہلا حقوقِ نسواں کنونشن منعقد کیا۔ شرکاء نے عورتوں کی ''غلامی'' کی خوب دہائی دی اور مَردوں کو برملا بےنقط سنائیں۔

خاندانی نظام کی تباہی اور شادی کی ضرورت کا خاتمہ تحریکِ نسواں کے بنیادی اہداف میں شامل رہا ہے۔ میری وولسٹن کرافٹ سے لے کر آج تک اس تحریک کی علمبردار تمام عورتوں نے خاندان کو اپنی جارحانہ تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ چونکہ خاندان بطور ادارے کے مَرد وزن کے آزادانہ اختلاط اور جنسی بے راہ روی کے راستے میں ایک اہم رکاوٹ ہے' اسی لئے خاندانی ادارے کو اس تحریک کے علمبردار راستے کا پتھر سمجھتے ہیں۔ درج ذیل سطور میں پیش کردہ تحریکِ نسواں کی پُرجوش مبلغات کے خیالات ملاحظہ فرمائیے:

۱) میری وولسٹن کرافٹ کے بعد جس خاتون نے شادی کے ادارے پر بھرپور حملہ کیا وہ جارج سینڈ (۱۸۷۶ء۔۱۸۰۴ء) تھیں۔ یہ خاتون انتہائی درجہ میں اعصابی اختلاج کا شکار تھیں۔ ان کی زندگی کا سٹائل مَردوں سے مشابہت رکھتا تھا۔ شادی کے ادارہ کے متعلق ان کا ارشاد ہے:

> ''میرے اس یقین میں کبھی کمی نہیں آئے گی کہ شادی کا ادارہ سب سے زیادہ قابلِ نفرت ادارہ ہے' مجھے ذرہ برابر شک نہیں ہے کہ جب نوعِ انسانی عقل کی طرف سفر کرے گی تو شادی کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔''

۲) انیسویں صدی کے وسط میں مسز اے بی۔ ایچ پرائس کا اس تحریک کے حوالے سے خاصا چرچا رہا۔ یہی وہ موصوفہ تھیں جو ۱۸۴۸ء کے کنونشن کی روحِ رواں تھیں۔ انہوں نے مذکورہ کنونشن میں مطالبہ کیا کہ عورتوں کو ملازمتیں دی جائیں تاکہ وہ شادی کے جھنجھٹ اور معاشی انحصار سے اپنے آپ کو آزاد کر سکیں۔

۳) ۱۸۹۳ء میں الیزا ابرٹ گیمبل نے ''عورت کا ارتقاء'' کے عنوان سے کتاب تحریر کی۔ موصوفہ نے اپنی تحقیق کا نچوڑ یوں بیان کیا کہ ''شادی نے عورت کو جنسی غلام

بنادیا ہے۔''

۴) جان اسٹورٹ مل نے ''عورتوں کی محکومیت'' کے نام سے معرکتہ الآرا کتاب لکھی۔
وہ حقوقِ نسواں کا جذباتی پرچارک تھا۔اس کا یہ قول زبان زدِ عام رہا:
''شادی واحد غلامی کی صورت ہے جو اب تک ہمارے قانون کے تحت جائز ہے' نکاح کا بندھن قانونی رنڈی بازی کے مترادف ہے۔''

۵) چارلٹ میگمن کا قول ہے: ''عورت اور مَرد کے درمیان شادی کے بغیر جنسی تعلقات کو ہم بدکرداری نہیں سمجھتے''۔

۶) ڈبلیو آئی جارج نے ۱۹۱۳ء میں ایک مضمون میں اعلان کیا: ''تحریک نسواں کا اصل مقصد شادی کو ختم کرنا اور آزاد جنسی تعلقات کا قیام ہے''۔

۷) ''میں غیر شادی شدہ اکیلی عورت کو قابل عزت سمجھتی ہوں۔میری یہ پیشین گوئی ہے کہ وہ وقت دُور نہیں جب شادی کے بغیر زندگی گزارنے والی اکیلی عورت شادی شدہ خواتین سے زیادہ قابل عزت سمجھی جائے گی''۔(مسز سلیسا برلے)

تحریک نسواں کی فکری دیگ کے یہ تو محض چند چاول ہیں' مگر ان سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں ہے کہ یہ تحریک بنیادی طور پر جنسی آوارگی اور شادی کے نتیجے میں وجود میں آنے والے خاندانی نظام کی تباہی پر مبنی ہے۔

۱۹۶۰ء کے عشرے میں امریکہ اور یورپ میں رونما ہونے والے ''جنسی انقلاب'' نے تحریک نسواں کے لئے آتش گیر مادے کا کام کیا۔۱۹۶۳ء میں جب بےٹی فرائیڈن کی کتاب ''نسوانی راز'' (Feminine Mystique) سامنے آئی تو اس سے تحریکِ نسواں کا مزاج ہیجان خیز بغاوت کی صورت اختیار کر گیا۔اس دور کو 'جدید عورت ازم' یا ''تحریک نسواں کا دوسرا دَور'' کہا جاتا ہے۔اس دَور میں تمام اخلاقی قدروں اور شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ دیا گیا۔اس تحریک سے وابستہ خواتین مصنفین نے ہر موضوع پر بے حد بے باکانہ قلم درازی کی۔ہر وہ بات جسے عوُرت کی زبان یا قلم سے نکلنا نسوانی حیاء کے تقاضوں کے خلاف سمجھا جاتا تھا' اب انہوں نے روشن خیالی کے احساسِ

تفاخر سے مملو ہو کر تحریر کی۔ جنس سے وابستہ شاید ہی کوئی رکیک خیال ہو جو اُن کی شوخیٔ تحریر کی زد میں آنے سے بچ گیا ہو۔ اس دَور کی چند نامور انقلابی خواتین میں کیٹ ملٹ (Kate Millat)' جرمین کریر (Germain Creer) این کاڈٹ (Ann Koedit) ہیں۔ ان کی بعض کتابوں کے بے حد واہیات نام ہیں' مثلاً جرمین کریر کی کتاب کا نام ''نسوانی ہیجڑے'' (Female Eunuch) ہے۔

یورپ میں یوں تو ہر دَور میں ہم جنس پرست (Lesbian) عورتوں نے تحریک نسواں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا ہے' لیکن ۱۹۷۰ء کے لگ بھگ یہ عورتیں عملاً اس تحریک کے ہراول دستے پر قابض ہو گئیں۔ تحریک نسواں کی قیادت پر قابض ہونے کے بعد انہوں نے نئے نعرے تشکیل دیئے۔ مثلاً:

"Feminism is the theory, ... Lesbianism is the practice"
Lesbian Feminism by Molly Mcgray" (P.179)

''تحریک نسواں ایک نظریہ ہے اور ہم جنس پرستی اس کی عملی صورت ہے''۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مغرب میں عورتوں میں ہم جنس پرستی کا رواج دراصل مَردوں سے نفرت کا اظہار اور ان کے مزعومہ تاریخی ظلم وستم کے خلاف شدید ردّعمل ہے۔ اِن عورتوں کے خیال میں مَردوں کی رفیقۂ حیات بننا ان کی جنسی غلامی قبول کرنے کے مترادف ہے۔ تحریک آزادیٔ نسواں میں شامل عورتوں کا ایک گروہ ''Radical Feminists'' کہلاتا ہے۔ یہ گروہِ نسواں مَردوں کی تحقیر اپنا ایمان سمجھتا ہے۔ ۱۹۹۰ء کے عشرے میں انہی عورتوں نے ایسا لٹریچر پیدا کیا ہے جس میں اعلان کیا کہ اکیسویں صدی میں عورتوں کو مَردوں کی ضرورت نہیں رہے گی۔ یہ عورتیں افزائش نسل کے لئے حیوانات کی طرح مصنوعی تخم کاری ''Artificial insemination'' کی تبلیغ کرتی ہیں۔

عورتوں کو مَردوں کی غلامی سے نجات دلانے کے تصور سے برپا کی جانے والی نام نہاد تحریک آزادیٔ نسواں ہر اعتبار سے ''آوارگیٔ نسواں'' کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ یہ سازش بربادیٔ نسواں ہے۔ اس تحریک نے مغرب کو کیا دیا ہے؟ وہاں کا

خاندانی نظام تباہی کے آخری کنارے پر ہے۔ یورپی معاشرہ جنسی ہوس ناکی کی مکروہ تجربہ گاہ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ نسوانی آبرو' شرم و حیا اپنا مفہوم کھو چکے ہیں۔ نکاح کے بغیر مَرد و زن کے تعلق کو عیب نہیں سمجھا جاتا۔ حرامی بچوں کا تناسب بڑھ رہا ہے۔ تقریباً ۸۰ فیصد شادیاں دو سال کے اندر اندر ہی طلاق پر منتج ہو جاتی ہیں۔ عورتوں اور مَردوں میں نفسیاتی امراض میں اضافہ ہو رہا ہے۔ بے نکاحی مائیں ویلفیئر کے ٹکڑوں پر پلنے پر مجبور ہیں' کیونکہ مَرد حرامی بچوں کی پرورش میں شرکت کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے۔ مغرب کی عورت جس نے ''گھر کی ملکہ'' کے عہدے کو حقیر جانا اور خاندان میں مَرد کی سربراہی کو قبول نہیں کیا آج دفتروں میں مَرد کی سیکریٹری کا ذلت آمیز فریضہ انجام دینے میں محض اس لئے عیب نہیں سمجھتی کہ وہاں سے تنخواہ کی صورت میں چند ٹکے ہاتھ لگ جاتے ہیں۔ خاندانی ماحول میں پیار و محبت' انس و مودّت اور ایثار و قربانی کے جذبات سے ایک ذہنی سکون اور نفسیاتی تسکین ملتی تھی۔ خاندانی اقدار کے زوال کی وجہ سے معاشرہ مادّہ پرستی اور خود غرضانہ انفرادیت پرستی کی زد میں ہے۔ اس سے یورپی سماج کا اجتماعی ڈھانچہ انتشار کا شکار ہو گیا ہے۔

ایسی تباہ کن تحریک اور مَرد و زن کی غیر فطری مساوات کے خلاف ردّعمل ایک فطری عمل ہے۔ اس تحریک کا شور و غل اور دھوم دھڑکا امریکہ میں نسبتاً زیادہ رہا ہے۔ تعجب یہ ہے کہ اس کے خلاف باقاعدہ منظم ردّعمل بھی پہلی مرتبہ امریکہ میں سامنے آیا۔ ۷۴۔۱۹۷۳ء میں امریکی کانگریس میں جب ''مساوی حقوق کی ترمیم'' Equal Rights Amendment.(E.R.A) کا بل پیش کیا گیا تو اس کے خلاف ردّعمل نے تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ دنیا پر پہلی مرتبہ منکشف ہوا کہ ''مساوی حقوق'' کی علمبردار متحرک اقلیت کو امریکی عورتوں کی خاموش اکثریت کی حمایت حاصل نہیں ہے۔ E.R.A کی مخالفت میں اٹھنے والی تحریک کی قیادت امریکی ریاست نارتھ کیرولینا سے تعلق رکھنے والی خاتون مادام شیلا فلائی (Schlafly) کر رہی تھیں۔ انہوں نے ریاست ہائے متحدہ کے طوفانی دورے کئے اور امریکی عورتوں میں یہ شعور

پیدا کیا کہ E.R.A کے نتائج عورتوں کے حق میں نہیں ہوں گے۔ انہوں نے اپنی تقاریر میں زور دے کر کہا:

"That a woman should be treated like a woman, not a man and certainly not a sex-neutral person."

''ایک عورت کے ساتھ برتاؤ ایک عورت سمجھ کر ہی کیا جانا چاہئے' نہ کہ ایک مَرد کی حیثیت سے' اور صنفی شناخت کے بغیر شخص کے طور پر تو یقیناً نہیں''۔

مادام شیلا فلائی کی تحریک نے جلد ہی زور پکڑ لیا۔ ان کی حامی عورتوں نے E.R.A کے خلاف جلوس نکالے۔ وہ جو کتبے اٹھا کر چلتی تھیں ان پر لکھا ہوتا تھا:

"We don't want to be men"

''ہم مَرد بننا نہیں چاہتیں''۔

(Sex Gender and politics of E.R.A by:Donald Mathew).

تحریک آزادیٔ نسواں کی متر جلات کے لئے امریکی عورتوں کی اس انداز میں مخالفت ایک عظیم صدمے سے کم نہ تھی۔ ان کے تمام تر پراپیگنڈے اور جارحانہ ہلڑ بازی اور امریکی ذرائع ابلاغ کی پشت پناہی کے باوجود ''مساوی حقوق کی ترمیم'' منظور نہ ہوئی اور آج تک امریکی کانگریس سے یہ پاس نہیں کرائی جا سکی۔ تحریک نسواں کی مذکورہ بالا خرافات کے خلاف ردِّعمل ہی کا نتیجہ ہے کہ امریکی کانگریس نے ''عورتوں کے خلاف ہر طرح کے امتیازات ختم کرنے کا کنونشن'' (سیڈا) کی آج تک توثیق نہیں کی۔ اکانومسٹ نے دسمبر ۱۹۹۹ء کے ایک شمارے میں اسے امریکہ کے دوہرے معیارات سے منسوب کیا ہے۔ امریکہ اور یورپ میں ''خاندانی اقدار'' کی بحالی پر زور سال بہ سال بڑھ رہا ہے۔ سابق برطانوی وزیر اعظم جان میجر نے ''بنیاد کی طرف واپسی'' (Back to Basics) کا بارہا احساس دلایا۔

بلجیم کے ایک قانون دان جنہیں تحریک نسواں کی علمبردار ''مگر مچھ'' کہہ کر پکارتی ہیں' خاندانی نظام کی بحالی کی زبردست تحریک چلائے ہوئے ہیں۔ سابق امریکی صدر بل کلنٹن نے اپنے دوسرے انتخابات میں تقاریر کے دوران ''خاندانی اقدار'' کی بحالی کو اپنی پالیسی کی ترجیحات قرار دیا۔ گزشتہ سال روزنامہ ''جنگ'' میں ایک خبر شائع

ہوئی جس میں کہا گیا کہ نیویارک کی عورتیں کچن کے کام میں دوبارہ دلچسپی لے رہی ہیں' کیونکہ اس کے بغیر وہ اچھے شوہروں کے حصول میں ناکام رہتی ہیں۔ امریکہ اور یورپ میں اس نام نہاد تحریک آزادئ نسواں کے خلاف دانش ور آواز بلند کر رہے ہیں اور اس کے بھیانک نتائج کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔

راقم الحروف کی نگاہ سے اس تحریک کے نظریات کے خلاف ناقدانہ جائزہ پر مشتمل متعدد کتابیں گزری ہیں۔ ان میں فرڈی نینڈ لنڈ برگ اور میری فارنا ہم کی مشترکہ کتاب "Modern Woman—the Lost Sex" یعنی ''جدید عورت' صنف گم گشتہ'' بہت اہم ہے...... اس کتاب میں نہایت تفصیل کے ساتھ تحریک نسواں کے عوامل' ارتقاء' نظریات اور منفی اثرات کا محققانہ اور عالمانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مصنفین نے تحریک نسواں کی علمبردار عورتوں کو مَردانہ صفات کی حامل (Manly-women) اور اعصابی اختلاج میں مبتلا قرار دیتے ہوئے انہیں یورپی معاشرے میں بے چینی اور ناراحتی کا بڑا سبب قرار دیا ہے۔ ۱۹۹۳ء میں شائع ہونے والی کتاب "No more sex war" کے مصنف نیل لائنڈن نے تحریک نسواں کی غیر منطقی' غیر متوازن فکر اور اس کے منفی اثرات کو واضح کیا ہے۔ رونالڈ فلیچر کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی ایک کتاب کا عنوان ہے:

"The abolitionists : the family and marriage under attack."

''استیصالیت پسند: خاندان اور شادی' حملہ کی زد میں''۔

اس محققانہ تالیف میں رونالڈ فلیچر نے مغرب میں خاندانی نظام کی تباہی کے ذمہ دار مختلف مکاتب فکر بالخصوص تحریک نسواں کی معروف خواتین کے افکار کا ناقدانہ جائزہ لے کر ان کی بھرپور مذمت کی ہے اور خاندانی نظام کی بحالی و تحفظ کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اس نوعیت کی متعدد دیگر کتب' مضامین و رسائل ہیں' طوالت کی بنا پر ان کا تذکرہ ممکن نہیں ہے۔

مغرب کی تحریکِ آزادئ نسواں کی علمبردار خواتین کے احوال وظروف اور ان

کے افکار ونظریات کا معروضی اور مفصل مطالعہ کرنے کے بعد راقم الحروف کی رائے میں یہ تحریک سرے سے عام عورتوں کی تحریک ہی نہیں ہے۔ اس تحریک کی علمبردار خواتین کو اس اعتبار سے ''عورت'' کہنا بھی محل نظر ہے' جس اعتبار سے اس لفظ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم ہمارے ذہنوں میں ہے۔ حضرت علامہ اقبال نے ایسی عورتوں کو ''نازن'' قرار دیا۔ ان کا ایک معروف شعر ہے۔

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ ہنر موت!

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ایسی عورتوں کے لئے ''مکشوفات'' کی ترکیب استعمال کی۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی معروف کتاب ''پاکستانی عورت' دوراہے پر'' میں مَردانہ صفات کی حامل ان عورتوں کو ''مترجلات'' کا نام دیا۔ یعنی وہ عورتیں جو عورت کی بجائے رجل بننے میں زیادہ دلچسپی رکھتی ہوں۔ اس تحریک کو تحریکِ نسواں کی بجائے ''تحریک نازن'' کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

مسلمان عورتوں کے لئے ''تحریک نازن'' کا اتباع نہ صرف ان کے لئے اخلاقی گمراہی کے گہرے غار میں گرنے کا باعث بنے گا' بلکہ ایک اسلامی معاشرے کو اخلاقی زوال اور سماجی انتشار سے بالکل اسی طرح دوچار کردے گا جیسا کہ ہم یورپ کے معاملے میں دیکھ رہے ہیں۔ مگر پاکستان میں مغرب زدہ بیگمات کی ایک متحرک اقلیت عورتوں کے حقوق کے فریب انگیز دعوے کے پردے میں یورپ کی ''تحریک نازن'' کو برپا کرنے کی کاوش میں مصروف ہے۔ وہ جن حقوق کی بات کررہی ہے اگر ان کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا منطقی نتیجہ جنسی بے راہ روی اور مَرد وزن کے آزادانہ اختلاط کے سوا کچھ اور نہیں نکلے گا۔

اسلام عورت اور مَرد کو مساوی قرار دینے کے باوجود ان کی صنفی و فطری صلاحیتوں کے لحاظ سے ان کا الگ الگ دائرہ کار تجویز کرتا ہے۔ اسلام مَرد وزن کی مساوات کو بلاشبہ تسلیم کرتا ہے لیکن وہ مساوات اس مساوات سے یکسر مختلف ہے

جس کی پُر جوش تشہیر آج کے مغرب کا ''روشن خیال'' مفکر یا تحریک نازن کے علمبردار کرر ہے ہیں۔

پاکستان میں تحریک نسواں کی علمبردار این جی اوز پاکستانی خواتین کے حقیقی مسائل کی نشان دہی کی بجائے مغرب کی تحریک آوارگی نسواں کی بھونڈی نقالی اوران کے نظریات کی لغوجگالی میں مصروف ہیں۔کوئی معقول پاکستانی اس بات کوتسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہو گا کہ "Marital Rape" (زوجہ سے زنا بالجبر) بھی پاکستانی خواتین کا کوئی مسئلہ ہے ' مگر ہماری این جی اوز کی بیگمات اس موضوع پر متعدد سیمینار منعقد کرا کے عورتوں کے خلاف اس مزعومہ ''ظلم'' کے خاتمہ کا بار ہا مطالبہ کر چکی ہیں۔اگست ۱۹۹۷ء میں خواتین حقوق کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اس ''جرم'' کے مرتکب شوہروں کے لئے عمر قید کی سزا تجویز فرمائی۔ یادش بخیر اس کمیشن میں عاصمہ جہانگیر' شیلا ضیاء اور عورتوں کے حقوق کی علمبردار دیگر بیگمات شامل تھیں۔

ابھی حال ہی میں مغرب زدہ بیگمات نے خاتونِ خانہ کی محنت کے معاوضہ کوان کے ''نسوانی حق'' کے طور پر ذرائع ابلاغ میں خاص تشہیر دی ہے۔ان ''روشن خیال'' بیگمات نے یہ سوچنے کی زحمت کم ہی گوارا کی ہے کہ وہ ایک ''گھر کی ملکہ'' کوایک گھریلو خادمہ کے حقیر مقام تک لانے کی بات کر رہی ہیں۔گزشتہ چند برسوں سے حقوقِ نسواں کی علمبردار پاکستانی این جی اوز گھر سے فرار ہونے والی لڑکیوں کے عشق بازانہ نکاح کے ''حق'' کا خوب پرچار کر رہی ہیں۔صائمہ ارشد کیس نے تو مغرب زدہ بیگمات اوراسلام پسندوں کے درمیان ایک باقاعدہ ''قانونی جنگ'' کی صورت اختیار کر لی تھی۔اس فیصلے کے ہمارے خاندانی نظام پر شدید منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔اس کا اعتراف جسٹس خلیل رمدے صاحب بھی کر چکے ہیں۔۱۹۹۹ء کے دوران عالمی سطح پر ''غیرت کے نام پرقتل'' کے خلاف تحریک چلائی گئی۔غیرت کے نام پرقتل کالائسنس اسلام بھی نہیں دیتا' مگر جس طرح این جی اوز نے اس کے خلاف جارحانہ پروپیگنڈا کیا اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ان کا اصل مقصود پاکستانی معاشرے سے غیرت کا جنازہ نکالنا ہے نہ کہ غیرت کے نام پرقتل کے خلاف احتجاج کرنا۔انسانی حقوق کے علمبردار کسی بھی جرم کے لئے ''موت کی سزا'' کی تو مخالفت کرتے ہیں مگر غیرت کے نام پرقتل کے مجرم کے لئے پاکستانی مغرب زدہ بیگمات نے

(باقی صفحہ ۴۲ پر)

KHALID TRADERS

NATIONAL DISTRIBUTORS

NTN

BEARINGS

IMPORTERS - INDENTORS - STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER - SMALL TO SUPER - LARGE

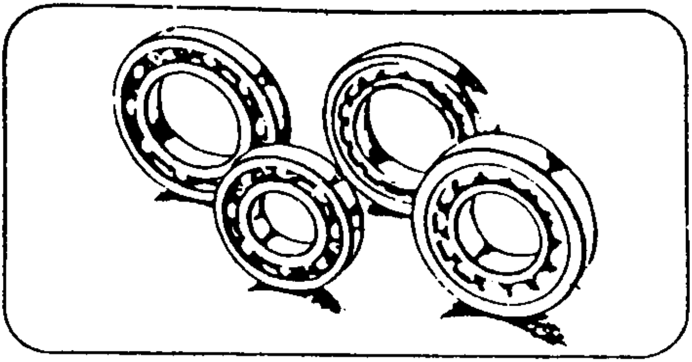

PLEASE CONTACT

Opp. K.M.C. Workshop, Nishtar Road, Karachi-74200, Pakistan.

G.P.O. Box # 1178 *Phones* : 7732952 - 7730595 *Fax* : 7734776 - 7735883

E-mail : ktntn@poboxes.com

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : ***SIND BEARING AGENCY***, 64 A-65 Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400(Pakistan) Tel : 7723358-7721172

LAHORE : 5 - Shahsawar Market, Rehaman Gali No. 4, 53-Nishtar Road, Lahore-54000, Pakistan. Phones. 7639618,7639718,7639818, Fax: (42) : 763-9918

GUJRANWALA: 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING